مَعارفِ مِلّت

جلدِ اوّل

اِس سلسلہ کے تینوں سٹوں کی نو کتابوں کے ملنے کے پتے

(۱) محمد مقتدیٰ خاں شروانی۔ علی گڑھ

(۲) محمد الیاس برنی جام باغ۔ حیدر آباد (دکن)

(۳) شیخ مبارک علی۔ لوہاری دروازہ۔ لاہور

سلسلۂ منتخبات نظم اردو

معارفِ ملّت

مرتبہ

محمد الیاس برنی ایم اے ال ال بی (علیگ)

(سابق پروفیسر اکنامکس محمڈن کالج علی گڑھ)

معلم معاشیات جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن



جلد اوّل

باہتمام محمد مقتدی خان شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ علی گڑھ میں ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۲ء طبع ہوئی

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجب اُفتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی
حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی ادبار
کی بجلیاں گرتی تھیں، بزمِ سخن کی رونق اور چہل پہل قابل دید تھی۔ خود
فرماں روائے وقت دنیا و ما فیہا سے بے خبر شاعری کی دھن میں مست تھے
شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے
آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مدّاحوں کی واہ وا نے آسمان سر پر
اُٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قدرتاً اُسی رنگ میں رنگ گیا
چنانچہ اس میں حُسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا
کہ خدا کی پناہ۔ اِس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مردنی چھائی، اخلاق

وعادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت کس طرح خاک میں ملے، یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخِ ہند میں بیان ہونی باقی ہے پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرایش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حُسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلے دبا دیئے اگر کہیں اس رنگ میں جراٗت، انشاؔ، مرزا شوقؔ اور میاں نظیرؔ کے طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں ان واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھُلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذب کلام کو لیجئے۔ اس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جا بجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں۔ جن کے بیان کی صفائی، حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی

شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور رُوح کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے ہنستوں کو رولاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے۔ کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعتِ ادب، ترقی زبان اور اصلاح تمدن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے، ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصاب تعلیم میں داخل ہیں بعض شاعروں کا منتخب

کلام بھی شائع ہو رہا ہے لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ رجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جاویں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتہ چلا کہ ہماری شاعری کے بہت سے شعبے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ رہی حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرک بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جذبات کو لیجئے۔ اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے اردو شاعری نے قومی تنزل اور تباہی کے دور میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام بارد اور یاس انگیز ہے۔ دنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش، فتادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی۔ جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر ناممکن ہے کہ اسے سن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو۔ شاعری کی

یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہے۔ کہیں خدانخواستہ جدوجہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی اُمنگیں پھر سرد نہ پڑ جائیں اس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہے جس سے دلوں کی افسردگی نکلے۔ اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خودبخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا قدرت کو لیجئے اس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہے۔ لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جا کر نقّاشی شروع کی ہے اور ابھی وہ زمانہ دُور ہے جب کہ نیچر کی تصاویر منہ سے بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجایش ہے اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہے۔

اِسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخباتِ نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے

اِس کے تین جُداگانہ حصے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ ملّت۔ حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ۔

(۲) جذباتِ فطرت۔ سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی بقول غالبؔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات، واقعات کی دلکش تصاویر کا مرقع۔

ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلّہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں لیکن شاعری کے رنگ و بُو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ پیچ

پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہو خدا جانے انھی کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سخن نگار قلم کیسے کیسے انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقار شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہونگی پھر کسی جامع انتخاب میں کیونکر نظر انداز ہو سکتی ہیں۔ اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو اُمید ہی کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے باینہمہ ان کی ضیافت طبع کے واسطے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہی۔ اگر انار کے کچھ دلنے کچے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہی۔ اصل مضمون پیش نظر رکھکر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا حسب صلاحیت ان کو ازسرِ نو ملانا یا جداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آیندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب

ہوگا، ہر حصّہ کی متعدد جلدیں بتدریج شایع کی جائیں گی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوں گی اُمید ہی کہ اس طرح اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہو جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح و جلا ہوتی ہی ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

جن حضرات نے مہربانی فرماکر نظموں کی فراہمی میں مدد دی، اس سلسلہ کی جلدوں کو اپنی قابلانہ رایوں سے مزین فرمایا اور اس کی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف ان کا بھی بدل ممنونِ احسان ہی۔

ملک کو اُردو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچے گا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کرے گا۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ جولائی ۱۹۱۹ء الیاس برنی

تمہیدِ دوم

خدا کا شکر ہے کہ ملک میں اس سلسلہ کی امید سے بڑھکر قدر ہوئی معزز اخبار و اور ممتاز ادیبوں نے گرمجوشی سے اظہار پسندیدگی فرمایا۔ اور بالاتفاق اس سلسلہ کو جاری رکھنے کا مشورہ دیا بلکہ اصرار کیا۔ اس کے شایع ہوتے ہی بلا مبالغہ فرمائشوں کا تار بندھ گیا۔ اکثر صوبوں کے مدارس میں نصاب۔ انعام اور کتب خانوں کے واسطے اس سلسلہ کی کتابیں منتخب اور منظور ہوگئیں۔ غرض ہر طریق سے اُردو خواں پبلک کی دلچسپی اور قدردانی سلسلہ کے متعلق روز افزوں نظر آتی ہے۔

اس ہمت افزائی نے قدرۃً نئے سٹوں کی تالیف و طبع کی رفتار تیز کردی چنانچہ سنہ ۱۹۱۹ء میں پہلا اور سنہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا سٹ شائع ہوا۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں تیسرے سٹ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سٹوں کے دوسرے اڈیشن نکل آئے۔ اسی دوران میں اور مواد فراہم ہوتا رہا۔ اُمید ہے کہ چوتھا سٹ بھی سال آیندہ شایع ہو جائے گا۔ انشاءاللہ۔

پہلے دو سٹوں میں انتخاب اور ترتیب کی مدد سے ہر جداگانہ نظم سے ایک مستقل مضمون نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی۔ تیسرے سٹ میں جدت گری نے اور بھی زیادہ آزادی برتی ہے۔ یعنی ایک ہی نظم کے طور پر اسی شاعر کے متفرق اشعار اس طرح ترتیب دیئے ہیں کہ ان کے اجتماع سے نئے نئے لطیف مضامین مترشح ہونے لگے اور خود شاعر کے ارتقائے تخیل کے عجیب و غریب نقشے پیش نظر ہو گئے۔ انتخاب اور ترتیب کے فن میں اس جدت سے بہت کچھ کام بننے کی امید ہے اور یقین ہے کہ یہ طریق بہت مقبول ہو گا۔ بطور تمثیل جذبات فطرت جلد سوم میں بعض نظمیں بالخصوص ع۱ میر تقی میر ع۲ کلام میر ع۱۳ شکایت الفت ع۱۴ نگاہ الفت ع۴۲ آرزوئے الفت ع۴۴ خواب عاشق ع۴۶ بے زبانی ع۴۷ قاصد ع۴۸ کیفیت عشق ع۵۰ راز عشق ع۵۶ کوے یار ع۶۱ گل و بلبل قابل ملاحظہ ہیں۔

خدا کو منظور رہے تو یہ سلسلہ اردو شاعری کے موتی جواہر کا خزانہ شمار ہو گا۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

جامعۂ عثمانیہ۔ حیدرآباد دکن

اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء

الیاس برنی

معارفِ ملّت

جلدِ اوّل

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ معرفت

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے — میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے — آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے
قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے — اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے
یارب یہ کیا طلسم ہے ادراکِ فہم یاں — دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے
گو بحث کر کے بات بٹھائی پہ کیا حصول — دل سے اٹھا غلاف اگر تو اٹھا سکے
غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار — اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

مستِ شرابِ عشق وہ بیخود ہے جس کو حشر
اے درد چاہے لائے بخود پھر نہ لا سکے

درد

۲۔ معرفت

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
یگانہ ہے تو آہ بیگانگی ہیں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
اذیت، مصیبت، ملامت بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
حجابِ رُخِ یار تھے آپ ہی ہم
کھُلی آنکھ جب کوئی پردہ نہ دیکھا
شب و روز اے دردؔ در پہ ہوں اُس کے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

دردؔ

۳۔ معرفت

بلبل نے جسے جا کے گلستاں میں دیکھا
ہم نے اُسے سرِ خارِ بیاباں میں دیکھا
روشن ہے وہ ہر ایک ستارے میں زلیخا
جس نور کو تو نے مہِ کنعاں میں دیکھا
ہم ہم کرے جمعیتِ کونین جو پل میں
لٹکا وہ تری زلفِ پریشاں میں دیکھا

واعظ تو سُنی بولے ہی حیرت زدہ نہ بابِ تس — اُس روز کو ہم نے شب ہجراں میں دکھیا — جلد اول

سودا جو ترا حال ہی اتنا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اُسے کس آن میں دیکھا

سودا

۴۔ معرفت

باغ عالم میں نہیں کوئی ثنا خواں تیرا — ذکر کرتا ہی ہر اک مرغِ خوش الحاں تیرا
کون عالم میں ہی ایسا جو نہیں سر بسجود — کس کی گردن کو جھکاتا نہیں احساں تیرا
جسمِ خاکی سے ہی دشوار رسائی تجھ تک — گرد اُڑ کر نہیں چھو سکتی ہی داماں تیرا
عشق نے آنکھوں کو دیدار دکھایا آخر — پردہ پوشی سے ہوا حسن نہ پنہاں تیرا
بانٹ چاہے جسے دولت دو جہاں کی ابد و ست — چاہتا تیرے سوا کچھ نہیں خواہاں تیرا

نیت اہل توکل ہی کرم نے بھر دی
سیر نعمت سے دو عالم کی ہی مہماں تیرا

اُلتش

جلد اول

۸۔ معرفت

کون جانے تجھے کہاں تو ہے
دوسرا کون ہے جہاں تو ہے

سو نشانوں پہ بے نشاں تو ہے
لاکھ پردوں میں تو ہے بے پردہ

کہیں پنہاں کہیں عیاں تو ہے
تو ہی خلوت میں تو ہی جلوت میں

نہیں تیرے سوا یہاں کوئی
میزباں تو ہے میہماں تو ہے

امیر

۹۔ نعرۂ مستانہ

تو کو بکو ہے تو مو بمو ہے
تو جا بجا ہے تو سو بسو ہے

ہر سمت اپنے خود رو برو ہے
ظاہر بھی تو ہے مظہر بھی تو ہے

منظور بھی تو ناظر بھی تو ہے
جلوہ بھی تیرا آنکھیں بھی تیری

مطلوب تو ہے تو جستجو ہے
جوئندہ تو ہے یابندہ تو ہے

تیری طلب میں اک ہاؤ ہو ہے
دارالحرم میں بیت الصنم میں

صحن چمن میں خنگل میں بن میں — تو رنگ و بو ہے نشو و نمو ہے — جلد اول
امرِ نہاں میں رازِ عیاں میں — نایاب بھی تو حاصل بھی تو ہے

تیری لگن تھی تو مل گیا جب
نیرنگ کی پھر کیا آرزو ہے

نیرنگ

۱۰۔ معرفت

معشوق ہوں یا عاشق معشوق نما ہوں — معلوم نہیں مجھکو کہ میں کون ہوں کیا ہوں
ہوں شاہدِ تنزیہ کے رخسار کا پردہ — یا خود ہی میں شاہد ہوں کہ پردہ میں چھپا ہوں
ہستی کو مری ہستیِ عالم نہ سمجھنا — ہوں ہست مگر ہستیِ عالم سے جدا ہوں
انداز ہیں سب عاشق و معشوق کے مجھ میں — سوزِ جگر و دل ہوں کبھی نازو ادا ہوں
ہے مجھ سے گریبانِ گل و صبح معطر — میں عطرِ نسیم چمن و بادِ صبا ہوں
یہ کیا ہے کہ مجھ پر مرا عقدہ نہیں کھلتا — ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہوں

گوشِ شنوا ہو تو مرے رمز کو سمجھے
حق یہ ہے کہ میں سازِ حقیقت کی صدا ہوں

مصحفی

۱۱۔ معرفت

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا — نہایت غم ہے اس قطرہ کو دریا کی جدائی کا
تعلق روح سے مجھکو جسد کا ناگوارا ہے — زمانے میں چلن ہے چار دن کی آشنائی کا
نکل اے جان تن سے تا وصالِ یار حاصل ہو — چمن کی سیر ہے انجام بلبل کی رہائی کا
دل ہما آئینہ سے صاف عشقِ پاک رکھتا ہے — تماشا دیکھتا ہے حسن اس کی خودنمائی کا

نہیں دیکھا ہے لیکن تجھ کو پہچانا ہے آتش نے
بجا ہے اے صنم جو تجھ کو دعویٰ ہے خدائی کا

آتش

۱۲۔ معرفت

وہ رنگ کہیں لعل بدخشان میں آیا — نیلم میں کہیں گوہرِ غلطان میں آیا
یاقوت میں الماس میں مرجان میں آیا — جب حسنِ ازل پردۂ امکان میں آیا
بے رنگ پھر رنگ ہر اک شان میں آیا

بو ہو کے ہر اک پھول کی پتّی میں بسا ہے — موتی میں ہوا آب ستاروں میں ضیا ہے

تنہا نہ ہماری ہی وہ شہ رگ سے ملا ہے	نزدیک ہے وہ سب سے جہاں اس سے بھرا ہے	جلد اول

جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمری دل سوختہ کیا بلبل نالاں	کیا باغ و چمن تختہ کا کیا زیر خیاباں
سب مل کے یہی بات پکاریں ہیں پیراں	گل بھی وہی سنبل وہی نرگس وہی ریحاں

اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا

کیا ارض و سما حور و ملک دیو پری جن	کیا وحشی طائر نہیں اک دم کوئی اس بن
ہر رات یہی بات یہی ذکر یہی ہر چھن	اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن

مذکور یہی آیت قرآن میں آیا

نظیر اکبر آبادی

۱۳- ترانۂ وحدت

ہر ذرہ میں ہے ظہور تیرا	ہے برق و شرر میں نور تیرا
افسانہ ترا جہاں تہاں ہے	چرچا ہے قریب و دور تیرا
ہر ذرۂ خاک میں ہے لمعاں	مخصوص نہیں ہے طور تیرا
محتاج شراب و جام کب ہے	جس دل کو ہوا سرور تیرا

گاتے ہیں سحر ہوا میں کیا کیا   دم بھرتے ہیں سب طیور تیرا

تو جلوہ فگن کہاں نہیں ہے

وہ جا نہیں تو جہاں نہیں ہے

تاروں میں چمک دمک تری ہے   جو رعد میں ہے کڑک تری ہے

اے باعثِ رونقِ گلستاں   شاخوں میں لہک لچک تری ہے

ہر غنچہ میں ہے ترا تبسم   ہر گل میں بھری مہک تری ہے

نغمے مرغانِ خوش گلو کے   کہتے ہیں یہ سب چہک تری ہے

کہتی ہے کلی کلی زباں سے   میری یہ نہیں چٹک تری ہے

شگفتہ ہے تو چمن چمن میں

خنداں ہے گلاب یاسمن میں

محروم

۱۴۔ خدا کے جلوے

بتاؤ مہرِ منور میں نور کس کا ہے   میانِ انجمِ تاباں ظہور کس کا ہے

یہ تجھ میں اے دلِ شاعر سرور کس کا ہے   دماغِ فلسفی تجھ میں شعور کس کا ہے

یہ سارے جلوے ہیں کس کے، خدا کے جلوے ہیں

وہی ہے رعد میں بجلی میں ابر باد میں ہے اسی کے دم سے ہے منگل ہر ایک جنگل میں
اسی کی بو ہے گلوں میں اسی کا رس پھل میں اسی کی نکہت تر ہے صبا کے آنچل میں

یہ سارے جلوے ہیں کس کے، خدا کے جلوے ہیں

ہر ایک برگِ چمن اس کا ہے پتا دیتا جو گل سے پوچھو تو وہ بھی ہے مسکرا دیتا
ہر ایک سرو جو انگلی ہے یوں اٹھا دیتا نشان اُس کا ہمیں ہے یہ برملا دیتا

یہ سارے جلوے ہیں کس کے، خدا کے جلوے ہیں

چمن ہیں دشت ہیں وادی ہیں کوہ صحرا ہیں کہیں اولے ہیں شبنم ہیں ابر دریا ہیں
شرر ہیں شعلے ہیں آتش ہیں برقِ سینا ہیں شمیمِ گل ہیں نسیم مسرت افزا ہیں

یہ سارے جلوے ہیں کس کے، خدا کے جلوے ہیں

اسی کے جلوے ہیں سارے جو چشم بینا ہو تمام ذرے ہیں تارے جو چشم بینا ہو
وہ روبرو ہے ہمارے جو چشم بینا ہو بشر زباں سے پکارے جو چشم بینا ہو

یہ سارے جلوے ہیں کس کے، خدا کے جلوے ہیں

محروم

۱۵۔ معرفت

مہر میں دھوپ دکھاتے تجھے دیکھا ہم نے
ماہ میں ماتھا جھکاتے تجھے دیکھا ہم نے
نرم آواز نسیموں میں تری ہم نے سنی
آنکھ تارے میں لڑاتے تجھے دیکھا ہم نے
آبشاروں میں ترا نغمۂ زیبا پایا
پھول میں ہونٹ دکھاتے تجھے دیکھا ہم نے
رعد میں غصّہ بھرا حکم ترا ہم نے سنا
برق میں ہنستے ہنساتے تجھے دیکھا ہم نے
سینچ کر خشک زمیں اپنے غلاموں کے لئے
کھیتیاں سبز اگاتے تجھے دیکھا ہم نے
چند عنایات تری ہوں تو گنی بھی جائیں
فیض کا سیل بہاتے تجھے دیکھا ہم نے

۱۶۔ جلوۂ قدرت

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے — بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا — جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

انیس

غلط تھا آپ سے غافل گزرنا — نہ سمجھے ہم کہ اس قالب میں تو تھا
گل و آئینہ کیا خورشید و مہ کیا — جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رو تھا

میر

جہاں تیرے جلوہ سے معمور نکلا — پڑی آنکھ جس کو وہ پرطور نکلا
وجود و عدم دونوں گھر پاس نکلے — نہ یہ دور نکلا نہ وہ دور نکلا

داغ

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا — آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے — انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

انیس

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو — آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
نزدیک رگ جاں سے ہے اس پر یہ بعد — اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

انیس

جلاول یہ دربار ہے خالقِ دو جہاں کا ادب اپنا سکّہ بٹھائے ہوئے ہے
نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالےٰ یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

۱۰ اکبر

مقدور نہیں اس کی تجلّی کے بیاں کا جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
پردہ کو تعین کے درِ دل سے اٹھا دے کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا

سودا

گر معرفت کا چشمِ بصیرت میں نور ہے تو جس طرف کو دیکھئے اس کا ظہور ہے
آتی ہے دل میں اور ہی صورت نظر مجھے شاید یہ آئینہ بھی کسی کے حضور ہے

درد

چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا

آتش

۱۷۔ معرفت

اُسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا
کرے کیا سیرِ دل ملکِ فنا کی کہ اس بازار میں سودا نہ پایا

وہ از خود رفتہ ہوں جس کو خودی نے — خدائی میں اگر ڈھونڈا نہ پایا
یہی ہر دم ہے زخمِ دل کا رونا — دہن پایا لبِ گویا نہ پایا
کبھی تو، اور کبھی تیرا رہا غم — غرض خالی دلِ شیدا نہ پایا
نظیر اس کا کہاں عالم میں اے ذوق
کہیں ایسا نہ پائیگا نہ پایا

ذوق

۱۸۔ معرفت

حسنِ پری اک جلوۂ مستانہ ہے اس کا — ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اس کا
وہ شوخ نہاں گنج کی مانند ہے اس میں — معمورۂ عالم جو ہے ویرانہ ہے اس کا
جو چشم کہ حیراں ہوئی آئینہ ہے اُس کی — جو سینہ کہ صد چاک ہوا شانہ ہے اس کا
دل قصرِ شہنشہ ہے وہ شوخ اس میں شہنشاہ — عرصہ یہ دو عالم کا جلو خانہ ہے اس کا
وہ یاد ہے اس کی جو بھلا دے دو جہاں تجھ — حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اُس کا
آوارگیٔ نکہتِ گل ہے یہ اشارہ — جامہ سے وہ باہر ہے جو دیوانہ ہے اُس کا
یہ حال ہوا اُس کے فقیروں سے ہویدا — آلودۂ دنیا جو ہے بیگانہ ہے اُس کا

شکرانۂ ساقیِ ازل کرتا ہی آتش
لبریز مئے شوق سے پیمانہ ہی اُس کا

آتش

۱۹۔ معرفت

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرّہ ظہور تھا

پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم
یک شعلہ برقِ خرمنِ صد کوہِ طور تھا

مجلس میں رات ایک ترے پرتوے بغیر
کیا شمع کیا پتنگ ہر اک بے حضور تھا

تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میں میر
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنے قصور تھا

میر

۲۰۔ معرفت

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہی
زمیں یاں کی چہارم آسماں ہی

خدا پنہاں ہے عالم آشکارا نہاں ہے گنج ویرانہ عیاں ہے
تکلف سے بری ہے حسن ذاتی قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے
برنگِ بو ہوں گلشن میں میں بلبل بغل غنچہ کی میرا آشیاں ہے
تعلق ہوتا ہے خوشبو سے اس کے کسی گل رو کا غنچہ عطرداں ہے

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے

آتش

۲۱- معرفت

خدایا نہیں کوئی تیرے سوا اگر تو نہ ہوتا تو ہوتا ہی کیا
تصور تری ذات کا ہے محال کسے یہ سکت اور کہاں یہ مجال
تعقل میں اتنی صفائی کہاں تفکر کو ایسی رسائی کہاں
یہاں عقل جاتی ہے آئی ہوئی تخیل پہ ہیبت ہے چھائی ہوئی
تفکر کے جلتے ہیں پر اس جگہ تصور کا کٹتا ہے سر اس جگہ
نہ ٹھہری کوئی تا اس موج میں نہ پہنچا کوئی تیر اس اوج میں

جلا اس ہوا میں نہ کوئی چراغ پریشاں ہوئے دل تھکی سب دماغ
جو ہوتی مشابہ ترے کوئی چیز تو کچھ کام کرتی سمجھ یا تمیز
ترا کوئی ہمجنس و ہمتا نہیں گماں کا یہاں پاؤں جمتا نہیں
سمجھ کیا ہے اور کیا سمجھ کی بساط سمندر سے قطرے کا کیا ارتباط
چلی بوند لینے سمندر کی تھا یکایک لیا موج نے اس کو کھا

ہوئی آپ ہی گم تو پائے کسے
بتائے وہ کیا اور بتائے کسے

اسمٰعیل

۲۲۔ معرفت

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں
معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے شہر تن میں جب کہ خود اپنا پتا ملتا نہیں
غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیا میں خوشی عاقلوں کو بے غم عقبیٰ مزا ملتا نہیں

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
ان کی قبروں کا بھی اب مجھکو پتا ملتا نہیں

اکبر

جلا اس ہوا میں نہ کوئی چراغ
پریشاں ہوئے دل تھکے سب دماغ
جو ہوتی مشابہ ترے کوئی چیز
تو کچھ کام کرتی سمجھ یا تمیز
ترا کوئی ہمجنس و ہمتا نہیں
گماں کا یہاں پاؤں جمتا نہیں
سمجھ کیا ہے اور کیا سمجھ کی بساط
سمندر سے قطرے کا کیا ارتباط
چلی بوند لینے سمندر کی تھاہ
یکایک لیا موج نے اس کو کھا
ہوئی آپ ہی گم تو پائے کسے
بتائے وہ کیا اور جتائے کسے

اسمٰعیل

۲۲۔ معرفت

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں
معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے
شہر تن میں جب کہ خود اپنا پتا ملتا نہیں
غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیا میں خوشی
عاقلوں کو بے غم عقبیٰ مزا ملتا نہیں
زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں
ان کی قبروں کا بھی اب مجھکو پتا ملتا نہیں

اکبر

۲۳ - گلدستۂ معرفت

اعمال سے میں اپنے بہت بے خبر چلا آیا تھا آہ کس لئے اور کیا میں کر چلا

سودا

مری بندگی سے مرے جرم افزوں ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ

داغ

واعظ کسے ڈرائے ہے یوم الحساب سے گریہ تو میرا نامۂ اعمال دھو گیا

درد

اکسیر پہ ہوس اتنا نہ ناز کرنا بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

درد

نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

ذوق

انساں عزیز خاطر اہلِ جہاں نہ ہو وہ مہرباں نہ ہو تو کوئی مہرباں نہ ہو
پیری میں بھی گیا نہ تغافل ہزار حیف اتنا بھی کوئی مائلِ خوابِ گراں نہ ہو

امیر

چاہتے ہیں کب نشاں اپنا مثالِ نقشِ پا ۔ جو کہ مٹ جانے کو بیٹھے ہیں فنا کی راہ پر
ہے صراط المستقیم اس کے لئے جس نے ظفرؔ ۔ استقامت کی ہے تسلیم و رضا کی راہ پر

ظفرؔ

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ ۔ وہ دلِ خالی جو تیرا خاص خلوت خانہ تھا
وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا ۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

دردؔ

مٹ جائیں اک آن میں کثرت نمائیاں ۔ ہم آئینہ کے سامنے جب آکے ہُو کریں
تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو ۔ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

دردؔ

کیا فرق داغ و گل میں کہ جس گل میں تو نہو ۔ کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہو
جو کچھ کہ ہم نے کی ہے تمنا ملی مگر ۔ یہ آرزو رہی ہے کہ کچھ آرزو نہو

دردؔ

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے ۔ لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے
اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں ۔ اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

دردؔ

جلد اول

۲۴- حمد

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعبِ جمال تیرا

کاوش میں ہے الٰہی دگداس ہے طبیعی
جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا

چھوٹے ہوئے ہیں گو جی پر دل بندھے ہوئے ہیں
ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا

گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں
لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا

ان کی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی
آنکھوں میں بس رہا ہے جن کے جلال تیرا

دل ہو کہ جان تجھ سے کیونکر عزیز رکھئے
دل ہے سو چیز تیری جاں ہے سو مال تیرا

ہے یاس دوستوں کے تیری یہی نشانی
یارب کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالی یہ رنگِ آشنائی
سن سن کے سر دھنیں گے قال اہلِ حال تیرا

حالی

۲۵۔ حمد

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

شان ارفع ہے تیری مرتبہ اعلیٰ تیرا
تو ہے یکتا کوئی ثانی نہیں ہمتا تیرا

ایک عالم کو ترے نام کا ہے ورد اے دوست
میں ہی کچھ ذکر نہیں کرتا ہوں تنہا تیرا

دیدِ لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا تیرا

جستجو میں جو نہ دوڑیں تری ٹوٹیں وہ پاؤں
سر وہ کٹ جائے نہ ہو جس میں کہ سودا تیرا

تو ہی نے ان کو بنایا ہے یدِ قدرت سے
تو ہی چاہے گا تو بگڑے گا یہ پتلا تیرا

عاشقِ روئے پری شیفتۂ حور نہیں
جانِ جاں رند ہے دیوانہ و شیدا تیرا

رند

۲۶۔ حمد

مقدور کس کو حمدِ خدائے جلیل کا
اس جا پہ بے زباں ہے دہن قال و قیل کا

پانی میں اس نے راہبری کی کلیم کی
آتش میں وہ ہوا چمن آرا خلیل کا

اس کی مدد سے فوج ابابیل نے کیا — لشکر تباہ کعبہ پہ اصحاب فیل کا
پھرتا ہے اس کے حکم سے گردوں رات دن — چلتا ہے یا عمل کوئی جبر ثقیل کا
کیا پائے کنہ ذات کو اس کے کوئی ظفر
واں عقل کا نہ دخل نہ ہرگز دلیل کا

ظفر

۲۷۔ حمد

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا — اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا
جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی — کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا
عظمت تری مانے بن کچھ بن ہی نہیں آتی — ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے صدا تیرا
تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط ان کو — جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا
نشہ میں وہ احساں کے سرشار ہیں اور بیخود — جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
سمجھا ہے پرے تجھکو ادراک کی سرحد سے — جس قوم نے رکھا ہے ایما، روا تیرا
آفاق میں پھیلے گی کبتک نہ مہک تیری — گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا
ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے — کچھ رنگ بیاں حالی ہے سب سے جدا تیرا

حالی

۲۸- جلّ جلالہٗ

تری ذات پاک ہے اے خدا تری شان جل جلالہ
ترا نام مالکِ دوسرا تری شان جل جلالہٗ
جسے چاہے مردہ بنائے تو جسے چاہے زندہ اٹھائے تو
ترے ہاتھ میں ہے فنا بقا تری شان جل جلالہٗ
کوئی شاہ کوئی امیر ہے کوئی بینوا و فقیر ہے
جسے چاہا جیسا بنا دیا تری شان جل جلالہٗ
کوئی کہتا رب تیرا نام ہے کوئی کہتا ہے کہ تو رام ہے
غرض ایک سب کا ہے مدعا تری شان جل جلالہٗ
ہے ہر اک چمن میں تو رنگ و بو ہے زباں پہ طوطی کی تو ہی تو
پڑھے کیوں نہ بلبلِ خوشنوا تری شان جل جلالہٗ

۹ نسیم

۲۹- حمد

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

ہم نکمے ہوئے زمانے سے — کام ایسا سکھا دیا تو نے
لاکھ دینے کا ایک دینا ہے — دلِ بے مدعا دیا تو نے
کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے — کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے
بے طلب جو ملا ملا مجھکو — بے غرض جو دیا دیا تو نے
نارِ نمرود کو کیا گلزار — دوست کو یوں بچا دیا تو نے
صبح موجِ نسیم گلشن کو — نفسِ جاں فزا دیا تو نے
نغمہ بلبل کو رنگ و بوگل کو — دلکش و خوش نما دیا تو نے
جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی — اس سے مجھ کو سوا دیا تو نے
رہبرِ خضر و ہادیِ الیاس — مجھ کو وہ رہنما دیا تو نے
مٹ گئے دل سے نقشِ باطل سب — نقشہ ایسا جما دیا تو نے
ہے یہی راہ منزلِ مقصود — خوب رستے لگا دیا تو نے
مجھ گنہگار کو جو بخش دیا — تو جہنم کو کیا دیا تو نے

داغ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا دیا تو نے

داغ

۳۰۔ حمد

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

اس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہوئے تعقل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب سے
اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

درد

۳۱۔ مناجات

ہر جا ہے تیرا جلوہ لیکن
دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا

یاں عقل ہے گم کہ بس تجھی کو
پایا ہر شے میں پر نہ پایا

اللہ رے تیری بے نیازی
یعقوب کو مدتوں رُلایا

یوسف سے عزیز کو کئی سال
زندانِ عزیز میں پھنسایا

یاں شعلہ کو سرکشی کی کیا تاب ابلیس کو خاک میں ملایا
تو واحد و بے نظیر و ہمتا تو حاکم و خالق برایا
آوے تری حمد کا تو ہم یہ حوصلہ میں کہاں سے لایا
مومن ہے زبانِ عرض احوال یعنی تجھے بے خود جتایا
رو رو کے دعا کر اک ذرا دیکھ کیا ابر کرم ہے سر پہ چھایا
اللہ مرے گناہ بے حد وہ ہیں کہ شمار کو تھکایا
ہے عام خطاب یا عبادی اس نے تو کچھ آسرا بندھایا
کیونکر نہ ہو تیری آس تو نے افلاک کو بے ستوں تھمایا
مجھ کو بھی بچا ہے جیسے تو نے یوسف کو گناہ سے بچایا
وہ رفعتِ حال دے کہ جس نے منصور کو دار پر چڑھایا
اس کا مرے دل پر ایک پرتو جس شعلہ نے طور کو جلایا

مومن کہے کس سے حال آخر
ہے کون ترے سوا خدایا

مومن

۳۲- مناجات

عاجز نواز دوسرا تجھ سا نہیں کوئی — رنجور کا انیس ہے ہمدم علیل کا
باغ و بہار آتشِ نمرود کو کیا — مشکل کے وقت تو ہوا حامی خلیل کا
موسیٰ کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی — فرعون کو تو نے غرق کیا رودِ نیل کا
طوفاں میں ناخدائی کشتیِ نوح کی — حقّا جواب ہی نہیں تجھ سے کفیل کا
دیکھا تو خار و گل کا مقام ایک شاخ ہے — دل توڑتا نہیں تو عزیز و ذلیل کا
مائل ہوں مجھکو قیدِ کم و بیش کی نہیں — مختار ہے کریم کثیر و قلیل کا

آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے
محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا

آتش

۳۳- مناجات

یا رب ہے بخش دینا بندے کو کام تیرا — محروم رہ نہ جائے کل یہ غلام تیرا
جب تک ہے دل بغل میں ہر دم ہو یاد تیری — جبتک زباں ہے منہ میں جاری ہو نام تیرا
محروم کیوں رہوں میں جی بھر کے کیوں نہ لوٹوں — دیتا ہے رزق سب کو ہے فیض عام تیرا

یہ داغ بھی نہ ہو گا تیرے سوا کسی کا
کونین میں ہے جو کچھ وہ ہے تمام تیرا

داغ

۳۴۔ مناجات

وہاں کی مخلصی اے وائے قسمت ہو تو کیونکر ہو
کہ میں آلودۂ عصیاں جو رحمت ہو تو کیونکر ہو

جہاں ہو نفس سا رہزن جہاں شیطان ہو دشمن
وہاں طاعت ہو کیونکر اور عبادت ہو تو کیونکر ہو

غرورِ جاہ نے پھونکی وہ مغز جاں میں بیہوشی
کہ زائل نشۂ پندار و نخوت ہو تو کیونکر ہو

ہوس کہتی ہے چل یاں سے کہے ہے حرص لا واں سے
توکل ہو تو کیونکر ہو قناعت ہو تو کیونکر ہو

برنگِ طائرِ تصویر ہوں میں دامِ حیرت میں
رہائی کی مری کوئی جو صورت ہو تو کیونکر ہو

گراں باری گنا ہونکی اٹھانے سر نہیں دیتی
الٰہی کیا کروں پھر دفع خجلت ہو تو کیونکر ہو

بجز رونے کے ہاں چشمِ عنایت ہو تو کیونکر ہو
کہ بے اشکِ ندامت جوشِ رحمت ہو تو کیونکر ہو

ظفر

۳۵- کریمی و رحیمی

پھر اس کی شان کریمی کے حوصلے دیکھے گناہگار یہ کہدے گناہگار ہوں میں

وہ کشتہ ہوں کہ مری لاش جس طرف گزری زمیں پکار اُٹھی قابلِ مزار ہوں میں

بلائیں لیتی ہے پھر پھر کے گرد نومیدی یہ کس کے در پہ الٰہی اُمیدوار ہوں میں

بڑے مزے سے گزرتی ہے بیخودی میں امیر

وہ دن خدا نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں میں

حشر میں جس نے کہا بندہ خطا کاروں میں ہے رحمت اس کی بولی چل تو گن گنہگاروں میں ہے

میں ہوں عاجز اور اس کو عاجزی مرغوب ہے بے نیازی اسکی میرے ناز برداروں میں ہے

حشر کے دن دیکھکر آغوش رحمت میں مجھے

پوچھتی ہے خلق تو کس کے گنہگاروں میں ہے

بےگناہوں میں چلا زاہد جو اس کو ڈھونڈنے مغفرت بولی ادھر آ میں گنہگاروں میں ہوں

وہ کرشمے شان رحمت نے دکھائے روزِ حشر چیخ اُٹھا ہر بےگنہ میں بھی گنہگاروں میں ہوں

امیر

۳۶۔ مناجات

یا مجھے افسرِ شاہانہ بنایا ہوتا
یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تونے
کیوں خرد مند بنایا، نہ بنایا ہوتا

خاکساری کے لئے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا

شعلۂ حسن چمن میں نہ دکھایا اس نے
ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفرؔ
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

ظفرؔ

۳۷۔ مناجات

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم ہائے سیاہ کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

تجھے کیا بتائے ہمنشیں ہمیں موت میں جو مزا ملا
نہ ملا مسیح و خضر کو بھی وہ نشاطِ عمرِ دراز میں

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

اقبال

۳۸- وجد

نالہ کہتا ہے کہ تا چرخ زحل جاؤں گا
بلکہ میں توڑ کے اس کو بھی نکل جاؤں گا

آج گر راہ نہ پاؤں گا تو کل جاؤں گا
کوچۂ یار میں پر سر ہی کے بل جاؤں گا

دل سے کہتا ہوں کہ تو ساتھ نہ لیجا مجھکو
جا کے واں میں ترے قابو سے نکل جاؤں گا

دل یہ کہتا ہے مجھے سینۂ روزن سے نکل
ورنہ خوں ہو کے میں آنکھوں سے نکل جاؤں گا

گر پڑا آگ میں پروانہ دمِ گرمیِ شوق
سمجھا اتنا بھی نہ کمبخت کہ جل جاؤں گا

کہتا پیراہنِ گل ہے یہ نزاکت سے نسیم
ہاتھ مجھکو نہ لگانا کہ نکل جاؤں گا

میں وہ مشتاقِ شہادت ہوں کہ سر دینے کو
پائے گو ہاں تہِ شمشیرِ اجل جاؤں گا

ذوق

۳۹۔ گریہ

جو اس شور سے میرؔ روتا رہیگا — تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہیگا
مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح — تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہیگا
مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے — جرس کے بھی جو ہوش کھوتا رہیگا
بس اے میرؔ مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو — تو کب تک یہ موتی پروتا رہیگا

میں وہ رونے والا چلا ہوں جہاں سے
جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

میر

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو — ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

یونہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں — دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

۴۰ - دعاء فاتحہ شریف

"حمد وثنا ہو تیری" کون ومکان والے
الحمد للہ

"اے ربِّ ہر دو عالم" دونوں جہان والے
رب العالمین

"بن مانگے دینے والے" عرش و قرآن والے
الرحمن

گرتے ہیں تیرے در پر سب آن بان والے

بیشک "رحیم" ہے تو رحمت نشان والے
الرحیم

"یوم الجزا کے مالک" خالق ہمارا تو ہے
مالک یوم الدین

"سجدے ہیں تجھکو کرتے" تیری ہی جستجو ہے
ایاک نعبد

"امداد تجھسے چاہیں" سب کا سہارا تو ہے
ایاک نستعین

تیری ہی بارگہ میں یہ بھی اک آرزو ہے

"رستہ دکھاوے سیدھا" او آسمان والے
اھدنا الصراط المستقیم

"وہ راستہ" دکھا تو پروردگار عالم
صراط الذین

جن پر چلا کئے ہیں پرہیزگارِ عالم

"نعمت تھی جن کو ملتی تجھ سے نگارِ عالم
انعمت علیہم

اور نام جن کا اب تک ہے یادگارِ عالم

تیری نظر میں ٹھیرے جو غوث شان والے

"معتوب ہیں جو تیرے"، اے خالق یگانا
المغضوب علیہم

"گمرہ ہوئے جو تجھ سے" اے صاحبِ زمانا
ولا الضالین

عاجز حبیب کو تو ان کی "نہ" رہ چلانا

کر رحم اتنا اب تو اے قادر و توانا

مقبول یہ دعا ہو اے لامکاں والے

حبیب

۱۴۔ مسلم کی مناجات

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرّہ کو چمکا دے　　پھر شوق تماشا دے پھر ذوق تقاضا دے
محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے　　دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل　　اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے
آتش مستی جس کی کانٹوں کو جلا ڈالے　　اس بادیہ پیما کو وہ آبلہ پا دے
پیدا دل ویراں میں پھر شورش محشر کر　　اس محمل خالی کو پھر شاہد لیلیٰ دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو　　وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوش ثریا کر　　خوددارئ ساحل دے آزادی دریا دے
بے لوث محبت ہو بیباک صداقت ہو　　سینوں میں اجالا دے دل صورت مینا دے
احساس عنایت کر آثار مصیبت کا　　امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبل نالاں ہوں اس اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

اقبال

۴۲- شاعر کی مناجات

یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر　　اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر

توفیق کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر جدلوا
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میری قلمرو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری بلبل کی زباں پر ہے تری شکرگزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبعِ نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

بھر دے درِ مقصود سے اس درجِ دہاں کو دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلم سے زباں کو عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسنِ بیاں کو
تحسین کا سموات سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلیں جام جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیتِ انجام
سرمست فراموش کرے گردشِ ایام صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آ گئی ہے خلدِ بریں سے انیس

۴۳۔ شاعر کی دعا

عالم ہمہ اپنے بستر راحت پہ خواب میں
آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں

پھیلائے ہاتھ صورتِ اُمیدوار ہے
اور کرتا صدق دل سے دعا بار بار ہے

مجھکو تو مال سے ہے نہ ہے مال سے غرض
رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض

یارب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں کو جو دل پر اثر کرے

آزاد

۴۴۔ شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں

نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھکو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھکو

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

سازِ خاموش ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم جلد اول
اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم پھول تھا زیبِ چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم
شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم
ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر کہیں مسجود تھے پتھر کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی اہلِ چیں چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے یونانی بھی اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کے لئے
اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کے لئے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کے لئے
سر بکف پھرتے تھے کیا دہر میں دولت کے لئے
قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بُت پرستی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی؟

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اُکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقشِ توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اُکھاڑا درِ خیبر کس نے؟
شہر قیصر کا جو تھا اُس کو کیا سر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟
کاٹ کر رکھ دیئے کفار کے لشکر کس نے؟

کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

کون سی قوم فقط تیری طلبگار ہوئی؟ اور تیرے لئے زحمت کشِ پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہانگیر جہاندار رہی؟ کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے؟
منہ کے بل گر کے ھو اللہ احد کہتے تھے؟

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے!
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے!

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے؟
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں! تو بھی تو دلدار نہیں

اُمتیں اور بھی ہیں اُن میں گنہگار بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں مستِ مئے پندار بھی ہیں

اُن میں کاہل بھی ہیں غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں
سیکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بُت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی اُن کو کہ کعبے کے نگہبان گئے

منزلِ دہر سے اونٹوں کے حدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں؟
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؟

یہ شکایت نہیں ہیں اُن کے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنھیں بات بھی کرنے کا شعور

قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور!

اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں!
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

کیوں مسلمانوں پہ ہے دولتِ دنیا نایاب | تیری قدرت تو ہے وہ جس کی نہ حد ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اُٹھے سینۂ صحرا سے حباب | رہروِ دشت ہو سیلی زدۂ موجِ سراب

طعنِ اغیار ہے رسوائی و ناداری ہے!
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے؟

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا | رہ گئی اپنے لئے ایک خیالی دنیا!
ہم تو رخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا | پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دنیا!

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے | شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلا لے بھی گئے | آکے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈھ چراغِ رُخِ زیبا لے کر!

دردِ لیلیٰ بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی | نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی
عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی | امتِ احمدِ مرسل بھی وہی تو بھی وہی

پھر یہ آزردگیِ غیر سبب کیا معنی !
اپنے شیداؤں پہ یہ چشمِ غضب کیا معنی !

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا ؟ بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا ؟
عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا ؟ رسمِ سلمان و اویسِ قرنی کو چھوڑا ؟

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں !
زندگی مثلِ بلالِ حبشی رکھتے ہیں !

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی جادہ پیمائیِ تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مضطرب دل صفتِ قبلہ نما بھی نہ سہی اور پابندیِ آئینِ وفا بھی نہ سہی

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

سرِ فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے اک اشارے میں ہزاروں کے لئے دل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے پھونک دی گرمیِ رخسار سے محفل تو نے

آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں ؟
ہم وہی سوختہ ساماں ہیں تجھے یاد نہیں ؟

وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا

جلد اول

حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا

اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی!

بے حجابانہ سوئے محفلِ ما باز آئی!

باد کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جو بیٹھے سنتے ہیں جام بکف نغمۂ کوکو بیٹھے

دور ہنگامۂ گلزار سے یک سو بیٹھے تیرے دیوانے بھی ہیں منتظرِ ہو بیٹھے

پھر پتنگوں کو مذاقِ تپش اندوزی دے

برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز لے اڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز

مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے

طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لئے

مشکلیں امتِ مرحوم کی آساں کر دے مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے

جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

جوئے خوں می چکد از حسرتِ دیرینۂ ما

می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما

بوئے گل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن — کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمازِ چمن
عہدِ گل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ چمن — اڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن

ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

قمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں — پتیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں — ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عریاں بھی ہوئیں

قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اس کی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اس کی

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں — کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں — کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

چاک اس بلبلِ تنہا کی نوا سے دل ہوں — جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دل ہوں — پھر اسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دل ہوں

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

اقبال

۴۵۔ جوابِ شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے — پر نہیں۔ طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے۔ رفعت پہ نظر رکھتی ہے — خاک سے اٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے
اُڑ کے آواز مری تا بفلک جا پہنچی
یعنی اس گل کی مہک عرش تلک جا پہنچی؟

جب مجھے درد سے ہو خلقتِ شاعر مدہوش — آنکھ جب خون کے اشکوں سے بنے لالہ فروش
کشورِ دل میں ہوں خاموش خیالوں کے خروش — چرخ سے سوئے زمیں شعر کو لاتا ہے سروش
قیدِ دستور سے بالا ہے مگر دل میرا!
فرش سے شعر ہوا عرش پہ نازل میرا!

پیرِ گردوں نے کہا سن کے، "کہیں ہے کوئی" — بولے سیارے "سرِ عرشِ بریں ہے کوئی"
چاند کہتا تھا "نہیں! اہلِ زمیں ہے کوئی" — کہکشاں کہتی تھی "پوشیدہ یہیں ہے کوئی"

کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھ کو جنت سے نکالا ہوا انساں سمجھا

تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا! عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا؟
تا سرِ عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا آ گئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا؟
غافل آداب سے سکانِ زمیں کیسے ہیں!
شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں!

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے! تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدم ہے!
عالمِ کیف ہے دانائے رموزِ کم ہے! ہاں! مگر عجز کے اسرار سے نامحرم ہے!
ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو!
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو!

آئی آواز۔ غم انگیز ہے افسانہ ترا! مئے فریاد سے معمور ہے پیمانہ ترا!
ہے ہم آغوشِ فلک نعرۂ مستانہ ترا! کس قدر شوخ زباں ہے دلِ دیوانہ ترا!
شکر شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

ہم تو مائل بکرم ہیں۔ کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے رہ روِ منزل ہی نہیں

تربیت عام تو ہے جوہر قابل ہی نہیں جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گل ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں!
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں!

جس طرح احمدِ مختار ہے نبیوں میں امام! اس کی امت بھی ہے دنیا میں امامِ اقوام!
کیا تمہارا بھی نبی ہے وہی آقائے انام؟ تم مسلماں ہو؟ تمہارا بھی وہی ہے اسلام؟

اس کی امت کی علامت تو کوئی تم میں نہیں
مے جو اسلام کی ہوتی ہے وہ اس خم میں نہیں

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں! امتی باعثِ رسوائیِ پیغمبر ہیں!
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں!

کہیں تہذیب کی پوجا کہیں تعلیم کی ہے!
قوم دنیا میں یہی احمدِ بے میم کی ہے!

کشورِ ہند میں کلیۂ ناکام کا بت عربستاں میں شفاخانۂ اسلام کا بت
اور لندن میں عبادت کدۂ عام کا بت لیگ والوں نے تراشا ہے بڑے نام کا بت

بادہ آشام نئے بادہ نیا خم بھی نئے
یعنی کعبہ بھی نیا بت بھی نئے تم بھی نئے

جلد اول وہ بھی دن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا! نازشِ موسمِ گل لالۂ صحرائی تھا!
جو مسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا! کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا!
کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کرلو!
ملت احمدِ مرسل کو مقامی کرلو!

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے ہم سے کب پیار ہے۔ ہاں! نیند تمہیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے تمہیں کہدو! یہی آئینِ وفاداری ہے؟
قوم مذہب سے ہے۔ مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں۔ محفلِ انجم بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن۔ تم ہو! نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن۔ تم ہو!
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو! بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو!
ہونکو نام جو قبروں کی تجارت کرکے
کیا نہ بیچو گے جو ملجائیں صنم پتھر کے؟

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟ نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟ میرے قرآن کو سینوں سے لگایا کس نے؟

تھے تو آبا وہ تمھارے ہی، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ رکھے منتظرِ فردا ہو

کیا کہا؟ "بہرِ مسلماں ہے فقط وعدۂ حور" شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور!
عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور
تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے۔ موسیٰ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی۔ دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی۔ اللہ بھی۔ قرآں بھی ایک کچھ بڑی بات تھی۔ ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟ ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمھیں پاس نہیں!

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا۔ تو غریب زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا۔ تو غریب

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت اُن کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت اُن کی

علم حاضر بھی پڑھا زائرِ لندن بھی ہوئے   مثلِ انجم افقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے   صفتِ طائرِ گم کردہ نشیمن بھی ہوئے

حال اُن کا مئے نو اور زبوں کرتی ہے
شبِ مہ سائے کی ظلمت کو فزوں کرتی ہے

قیس زحمت کشِ تنہائیِ صحرا نہ رہے   شہر کی کھائے ہوا بادیہ پیما نہ رہے
وہ تو دیوانہ ہے۔ بستی میں رہے یا نہ رہے   یہ ضروری ہے حجابِ رخِ لیلیٰ نہ رہے

شوق تحریر مضامیں میں کھلی جاتی ہے
بیٹھکر پردہ میں بے پردہ ہوئی جاتی ہے

عہدِ نو برق ہے۔ آتش زنِ ہر خرمن ہے   ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے   ملّتِ ختم رسل شعلہ بہ پیراہن ہے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا!

دیکھکر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی!   کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے

یعنی ہونے کو ہے کانٹوں سے بیاباں خالی — گل بر انداز ہے خونِ شہدا کی لالی — جلد ادا

ساحلِ بحر پہ رنگِ فلک عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

اُمتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں — اور محروم ثمر بھی ہیں خزاں دیدہ بھی ہیں
سیکڑوں نخل ہیں کاہیدہ بھی بالیدہ بھی ہیں — سیکڑوں بطنِ چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں

نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سیکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا! — تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا!
قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا! — غیر یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا!

"نخلِ شمع استی و در شعلہ دود ریشۂ تو
عاقبت سوز بود سایۂ اندیشۂ تو"

تو نہ مٹ جائیگا ایران کے مٹ جانے سے — نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کشتیٔ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصرِ نو رات ہے۔ دھندلا سا ستارا تو ہے

ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا غافلوں کے لئے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا امتحاں ہے ترے ایثار کا خودداری کا

کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

ختم کاہے کو ہوا کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

ہو نہ افسردہ اگر مٹ گئی تعمیر تری رازِ توحید! حکومت نہیں تفسیر تری
تو وہ سرباز ہے اسلام ہے شمشیر تری نظمِ ہستی میں ہے کچھ اور ہی تقدیر تری

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

وسعتِ کون و مکاں سازِ بے مضراب ہے یہ دہر مسجد ہے سراپا، خم محراب ہے یہ
جامِ گردوں میں عیاں مثلِ مئے ناب ہے یہ روحِ خورشید ہے خونِ رگِ مہتاب ہے یہ

صوت ہے نغمۂ کن میں تو اسی نام سے ہے
زندگی زندہ اسی نور کے اتمام سے ہے

دشت میں دامنِ کہسار میں میدان میں ہے بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین میں شہرِ مراقش کے بیابان میں ہے اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ دیکھے

مردمِ چشم زمیں یعنی وہ کالی دنیا وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمیِ مہر کی پروردہ ہلالی دنیا عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

انجم اسکے، فلک اس کے ہیں زمیں اسکی ہے کیا یہ اغیار کی دنیا ہے؟ نہیں! اسکی ہے

وہ ہمارا ہے امیں۔ قوم امیں اس کی ہے سجدے مسجود ہوں جس کے وہ جبیں اسکی ہے

طوف احمدؐ کے امینوں کا فلک کرتے ہیں
یہ وہ بندے ہیں ادب جن کا ملک کرتے ہیں

مثلِ بو قید ہے غنچے میں! پریشاں ہوجا! رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہوجا
شوقِ وسعت ہے۔ تو ذرّے سے بیاباں ہوجا نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہوجا

بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کردے!
اور دنیا کے اندھیرے میں اُجالا کردے!

اقبال

۲۴۔ صلی اللہ علیہ وسلم

خلق کے سرور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم
مرسلِ داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

نور مجسم نیر اعظم سرور عالم مونسِ آدمؑ
نوحؑ کے ہمدم خضرؑ کے رہبر صلی اللہ علیہ وسلم

بحرِ سخاوت کان مروت آیۂ رحمت شافع امت
مالکِ جنت قاسم کوثر صلی اللہ علیہ وسلم

رہبرِ موسیٰؑ ہادیِ عیسیٰؑ تارکِ دنیا مالکِ عقبیٰ
ہاتھ کا تکیہ خاک کا بستر صلی اللہ علیہ وسلم

فخر عیاں ہیں عرش مکاں ہیں شاہ شہاں ہیں سیف زباں ہیں
سب یہ عیاں ہیں آپ کے جوہر صلی اللہ علیہ وسلم

مہر سے معمور سینہ ، سینہ نعت امیرؔ ہے اپنا پیشہ
ورد ہمیشہ رہتا ہے اکثر صلی اللہ علیہ وسلم

امیرؔ

۴۷ - یہ ہی تو ہیں

شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ نور الہدیٰ یہ ہی تو ہیں
عاشق ہوا جن پر خدا وہ دل ربا یہ ہی تو ہیں

عالی نسب والا حسب جن کا سنا تو نے لقب
یعنی محمد مصطفٰے وہ مجتبیٰ یہ ہی تو ہیں

ہیں اولین و آخریں اور وہ شفیع المذنبین
وہ رحمۃ للعالمیں ابر سخا یہ ہی تو ہیں

وہ سایۂ ذاتِ احد وہ مظہرِ نور صمد
فرماں روائے نیک و بد خیر الوریٰ یہ ہی تو ہیں

شبلؔ حزیں کی ہے یہ دعا پہنچے مدینہ میں گدا
کہتا ہوا صل علیٰ صل علیٰ یہ ہی تو ہیں

شبلؔ حزیں

۴۸ - شب معراج

اللہ اللہ عجب انوار ہیں معراج کی رات
نور افشاں در و دیوار ہیں معراج کی رات

مداول وصلِ محبوب کے آثار ہیں معراج کی رات — کھلنے کو پردۂ اسرار ہیں معراج کی رات
جلوے رحمت کے نمودار ہیں معراج کی رات — ملک اس طرح گہربار ہیں معراج کی رات

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مرحبا آج قدم رنجہ وہ فرماتے ہیں — خالقِ پاک کے محبوب جو کہلاتے ہیں
قدسیوں کا ہے وہ عالم کہ کچھے جاتے ہیں — دل بیتاب کو قابو میں نہیں پاتے ہیں
آمدِ شاہ کے چرچے انھیں تڑپاتے ہیں — ایک سے ایک یہ کہتا ہے حضور آتے ہیں

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

جبرئیل آتے ہیں لینے کو یہ رتبہ دیکھو — عرش سے آگے ہی جانا یہ ارادہ دیکھو
سرِ اقدس یہ ہی کیا بانکا عمامہ دیکھو — حق نما آنکھ میں مَازاغ کا سرمہ دیکھو
آؤ اس حسنِ مجسم کا تماشا دیکھو — بڑھ کے مطلع یہ پڑھو جب رخِ زیبا دیکھو

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اس سواری کی عجب شان ہے اے صلِ علیٰ — دہنے بائیں نظر آتا ہے فرشتوں کا پرا

تاروں ہیں چاند سے روشن ہیں جنابِ والا شمع ایوان دنیٰ اختر برج طٰہٰ جلد۱
شہ سوارِ مدنی صدر نشینِ بطحا اے بقربان تو صد جان و دل و دیدۂ ما

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

دیکھو دیکھو طلبِ خاص کا منشا ہیں یہی آنکھیں روشن کرو ماہِ شب اسریٰ ہیں یہی
محرم راز یہی سِرّ فاوحیٰ ہیں یہی حسن افروز جمالِ فتدلّٰی ہیں یہی
دردمندانِ محبت کے مسیحا ہیں یہی اس تمنا کے لئے سچ پوچھو تو زیبا ہیں یہی

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

یہی بیمار کو داروئے شفا دیتے ہیں یہی بگڑی ہوئی باتوں کو بنا دیتے ہیں
راہ بھولے ہوؤں کو راہ بتا دیتے ہیں یہی اللہ سے بندوں کو ملا دیتے ہیں
اپنے رخسار سے پردہ جو اٹھا دیتے ہیں گرد پھر پھر کے یہ مشتاق صدا دیتے ہیں

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

دیکھ کر مسجدِ اقصیٰ کو جو سرکار بڑھے پیشوائی کے لئے چرخ کے حضّار بڑھے

انبیا تھے جو وہاں طالب دیدار بڑھے کیا نبی کیا ملک جو سب اک بار بڑھے
سب سے ملتے ہوئے اور احمد مختار بڑھے اس طرح کہتے زیارت کے طلبگار بڑھے

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آسمانوں سے گزر کر وہ امام جبریل پہنچے سدرہ پہ جو تھا خاص مقام جبریل
بھر دیا بادۂ مقصود سے جام جبریل آپ کے نام سے روشن ہوا نام جبریل
واں سے آگے جو بڑھے لیکے سلام جبریل تھا یہی شاہ سے اس وقت کلام جبریل

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آپ تنہا ہوئے راہی سوئے عرشِ اعظم عرش نے فخر کیا چوم کے حضرت کے قدم
اس جگہ ہوتے تھے مفہوم یہ مضموں پیہم آ قریب آ کہ بہت دیر سے مشتاق ہیں ہم
تیرے لینے کو ہیں کھولے ہوئے آغوشِ کرم دیکھ کہتے ہیں تری شان میں کیا لوح و قلم

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آ قریب آ کہ کریں مورد رحمت تجھ کو آ قریب آ کہ ملے قرب کا خلعت تجھ کو

آج دکھلائینگے ہم جلوۂ وحدت تجھ کو   آج پہنائینگے ہم تاج شفاعت تجھ کو
دیکھ لائی ہی کہاں تیری محبت تجھ کو   عرش اعظم بھی یہ دیتا ہی بشارت تجھ کو

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

یہ وہ جا ہی کہ رسائی سے گماں قاصر ہی   فہم عاجز ہے یہاں عقل بشر فاتر ہی
وہی منظور ہی اس وقت وہی ناظر ہی   وہی شاہد وہی مشہود عجب یہ سر ہی
کوئی اس راز نہانی سے کہاں ماہر ہی   خوب موقع سے گہر ریز لب شاعر ہی

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اب یہ ہی عرض حضور شہ والا القاب   ہی جلیل آپ کی فرقت میں نہایت بیتاب
ہند کی خاک پہ مہجور کی مٹی ہی خراب   شربت وصل سے کر دیجئے اس کو سیراب
حشر میں خاص ہو اس پر نظر لطف جناب   شعر قدسی کا وہ پڑھتا چلے ہمراہ رکاب

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

جلیل

۴۹۔ سلامی علیک

اے مدنی برقع و مکی نقاب — آج مناسب نہیں اتنا حجاب
وصل کی ہو رات تکلف ہو کیوں — لطف کی ہو بات توقف ہو کیوں

اے مرے محبوب سلامی علیک
اے مرے مطلوب سلامی علیک

خلدِ بریں خوب ہے آراستہ — عرش سے تا فرش ہے پیراستہ
آؤ چلے آؤ بڑھائے قدم — دیر سے مشتاق ہے ملکِ قدم

اے مرے محبوب سلامی علیک
اے مرے مطلوب سلامی علیک

آؤ چلے آؤ کہ عرشِ اللہ — سر پہ بٹھائے تمھیں شاہوں کے شاہ
آؤ چلے آؤ کہ سب انبیا — کب سے ہیں مشتاقِ جمال و لقا

اے مرے محبوب سلامی علیک
اے مرے مطلوب سلامی علیک

آؤ چلے آؤ سوئے لامکاں — شانِ ہُویّت کا ہے جلوہ یہاں

آؤ چلے آؤ کہ قدسی تمام باندھے ہوئے صف ہیں برائے سلام

اے مرے محبوب سلامی علیک

اے مرے مطلوب سلامی علیک

اتنے قریب آ گئے لو ہم سے تم نام دوئی بیچ سے ہو جائے گم

آؤ چلے آؤ کہ خوش ہو کے آج ہم تمہیں پہنائیں شفاعت کا تاج

اے مرے محبوب سلامی علیک

اے مرے مطلوب سلامی علیک

ہے یہ بیاں حالتِ معراج کا ذکر رسولوں کے ہے سرتاج کا

کیا کہے بیچارہ امیرِ حقیر جب کہے خود ربِّ جلیل و قدیر

اے مرے محبوب سلامی علیک

اے مرے مطلوب سلامی علیک

امیر

۵۰۔ عشق نبی صلعم

کچھ اک ہم ہی نہیں انتظار بیٹھے ہیں رسول پاک کے شیدا ہزار بیٹھے ہیں

غمِ فراقِ شہِ دیں میں اب تو کھو کر ہم　　تمام دولتِ صبر و قرار بیٹھے ہیں
نہ ہم کو زر کی ہے خواہش نہ چاہ جاہ کی ہے　　تمھارے لطف کے امیدوار بیٹھے ہیں
خیالِ روضۂ پرنورِ مصطفےٰ ہی ہیں　　خموش صورتِ شمعِ مزار بیٹھے ہیں
سنا ہے قبر میں دکھلاتے ہیں شبیہ نبیؐ
اجل کے اس لئے ہم انتظار بیٹھے ہیں

۹

۱۵۔ عشقِ نبی صلعم

عشقِ خیر الانام رکھتے ہیں　　ہم کسی سے نہ کام رکھتے ہیں
بادۂ الفتِ نبی سے مدام　　دل کا لبریز جام رکھتے ہیں
سب نبی مقتدی ہوئے جن کے　　ہم وہ اپنا امام رکھتے ہیں
بادشاہانِ دو جہاں یہ شرف　　ان کے ادنیٰ غلام رکھتے ہیں
اے خدا روضۂ نبی دکھلا
وردِ یہ صبح و شام رکھتے ہیں

۹

جلد دوم

۵۲۔ نعت

خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹا لے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

بیکسی پر مری خوں روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

کون ہے ماہِ عرب کون ہے محبوبِ خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

دم تری دید کو آنکھوں میں لگا رکھا ہے
لے رہے ہیں ترے بیمار سنبھالے آجا

ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آجا

دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفانِ صراط
ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

وقف ہے تیرے لئے دولتِ کنزِ مخفی

بازوں

کھل گئے ہفت سموات کے تالے آجا

پہنچا محبوب تو مشتاقِ رحمت نے کہا

خلوتِ راز میں اے ناز کے پالے آجا

ہم نے خوش ہو کے تجھے ساری خدائی بخشی

اپنے بندوں کو کیا تیرے حوالے آجا

رنگ وحدت ہی یہاں غنچۂ خلوت ہی یہاں

اے گلِ گلشنِ لولاک لما لے آجا

صورتِ لالہ ہے پُر داغ بیاں کا سینہ

پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

بیان

۵۳۔ نعت

دلِ بیتاب کو سینے سے لگالے آجا	کہ سنبھلتا نہیں کم بخت سنبھالے آجا

پاؤں ہیں طولِ شبِ غم نے نکالے آجا	خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا

بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

صورتِ سایہ ہوں افتادہ اٹھالے آجا　　ایڑیاں خستہ ہیں اور زخم ہیں چھالے آجا
خارِ صحرا میں زبانیں ہیں نکالے آجا　　بیکسی پہ مری خوں روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

نہیں خورشید کو ملتا ترے سایہ کا پتا　　کہ بنا نورِ ازل سے ہے سراپا تیرا
اللہ اللہ ترے چاند سے مکھڑے کی ضیا　　کون ہے ماہِ عرب کون ہے محبوب خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

اے مسیحا ترے بیماروں میں کیا رکھا ہے　　رختِ ہستی ترے کوچہ سے اٹھا رکھا ہے
تری فرقت میں وصال آج کا ہوا رکھا ہے　　دم تری دید کو آنکھوں میں لگا رکھا ہے
لے رہے ہیں ترے بیمار سنبھالے آجا

دل ہی دل میں مرے ارماں گھلے جاتے ہیں　　خاک پر گر کے دُرِ اشک رلے جاتے ہیں
مری رسوائی پہ کم بخت تلے جاتے ہیں　　ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

ہائے واندگی و وسعتِ دامانِ صراط　　المدد المدد اے خضرِ بیابانِ صراط
ہر قدم پر نگہِ یاس سے یارانِ صراط　　دیکھتے ہیں تجھے پھر پھر کے ضعیفانِ صراط
ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

کان میں کچھ جو ادھر عندیۂ الست نے کہا — مرحبا بڑھ کے ادھر شاہدِ وحدت نے کہا
آ، بلائیں تری لوں جوشِ محبت نے کہا — پہنچا محبوب تو مشاطۂ رحمت نے کہا

خلوتِ راز میں اے ناز کے پالے آجا

ترے دیوانہ کو زنجیرِ طلائی بخشی — جوہرِ آئینۂ دل کو صفائی بخشی
بادشاہوں کو ترے در کی گدائی بخشی — ہم نے خوش ہو کے تجھے ساری خدائی بخشی

اپنے بندوں کو کیا تیرے حوالے آجا

بھینی بھینی گلِ توحید کی نکہت ہے یہاں — واہ کیا رنگ ہم آہنگیِ صحبت ہے یہاں
ابرِ رحمت ہے یہاں بوئے محبت ہے یہاں — رنگِ وحدت ہے یہاں غنچۂ خلوت ہے یہاں

اے گلِ گلشنِ لولاک لما لے آجا

آبگینہ ہے لئے دردِ نہاں کا سینہ — یا زمانہ ہے کوئی سوزِ فغاں کا سینہ
تختۂ گل ہے ترے سوختہ جاں کا سینہ — صورتِ لالہ ہے پر داغ بیاں کا سینہ

پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

سرور جہان آبادی

۴۵ - پردۂ میم

نگاہ عاشق کی ڈھونڈ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر
وہ بزمِ یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

بتائے دیتے ہیں اے صبا ہم، یہ گلستانِ عرب کی بو ہے
مکر نہ اب ہاتھ لا ادھر کو، وہیں سے لائی ہے تو اُڑا کر

بہارِ جنت کو کھینچتا تھا مجھے مدینہ سے آج رضواں
ہزار مشکل سے اُس کو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر

شہیدِ عشقِ نبی کے مرنے میں بانکپن بھی ہیں سو طرح کے
اجل بھی کہتی ہے زندہ باشی ہمارے مرنے پہ زہر کھا کر

شہیدِ عشقِ نبی ہوں میری لحد پہ شمعِ قمر جلے گی
اُٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر

لحد میں سوتے ہیں تیرے شیدا تو حورِ جنت کو اسمیں کیا ہے
کہ شورِ محشر کو بھیجتی ہے خبر نہیں کیا سکھا سکھا کر

ہنسی بھی کچھ کچھ نکل رہی ہے مجھے بھی محشر میں تاکتی ہے

کہیں شفاعت نہ لے گئی ہو مری کتابِ عمل اُٹھا کر

رکھی ہوئی کام آ ہی جاتی ہے جنس عصیاں عجیب شے ہے
کوئی لے پوچھتا پھرے ہے زرِ شفاعت دکھا دکھا کر

خیالِ راہ عدم سے اقبال در پہ تیرے ہوا ہے حاضر
بغل میں زادِ عمل نہیں ہے صلہ مری نعت کا عطا کر

اقبال

۵۵- شمع ہدایت

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی کل دنیا کے درباروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملیگی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ظفر علی خاں

۵۶۔ بعثت حضرت خاتم النبیین صلعم

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوےٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولےٰ

خطاکار سے درگزر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا — قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حرا سے سوے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا — کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا — پلٹ دی بس اک آن میں اُس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

جلد اول

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی   عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی   اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا   حقیقت کا گر ان کو اک اک بتایا
زمانہ کے بگڑے ہوؤں کو بنایا   بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اٹھا کر

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں   بھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانہ میں تھا دورِ صہبائے بطلاں   مے حق سے محرم نہ تھی بزم دوراں

اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک
خُمِ معرفت کا تھا مُنہ خام اب تک

نہ واقف تھے انساں سزا اور جزا سے   نہ آگاہ تھے مبدأ و منتہا سے
لگائی تھی ایک اک نے لو ما سوا سے   پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے

یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرمان طاعت کے لائق اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم

مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی

اسی طرح دل ان کا ایک اک سے توڑا ہر ایک قبلۂ کج سے منہ ان کا موڑا
کہیں ماسوا کا علاقہ نہ چھوڑا خداوند سے رشتہ بندوں کا جوڑا

کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دیئے سر جھکا ان کے مالک کے آگے

حالی

۵۷ - شوق زیارت بیت اللہ شریف

الٰہی یہ تمنا ہے حرم کی راہ کو دیکھوں
کہیں اس دونوں عالم کی زیارت گاہ کو دیکھوں

جو تو چاہے تو میں اس خانۂ دلخواہ کو دیکھوں
نہیں جی چاہتا دنیا کے غم و جاہ کو دیکھوں

یہی جی چاہتا ہے بس کہ میں ہر کام کو چھوڑ دوں
اور اس دنیائے دوں کے ہر خیال خام کو چھوڑ دوں

ملا کر خاک میں دنیا کے ننگ و نام کو چھوڑ دوں
چلا جاؤں مسافر بن کے اور آرام کو چھوڑ دوں

غمی دیکھی خوشی دیکھی بھلا دیکھا برا دیکھا
نہ تھا جو دیکھنا بھی سو وہ اس دنیا میں دیکھا

یہ مانا ہم نے یاں رہ کر تماشا خوب سا دیکھا
نہ دیکھا خانۂ کعبہ تو ان آنکھوں سے کیا دیکھا

تمنا ہے کہ میرا ہاتھ ہو کعبہ کا دامن ہو
تو عرض حال دل مولیٰ سے ہو اور چشم گریاں ہو

نکالوں دل سے حسرت جو کہ حسرت دل میں پنہاں ہو
یہ دیکھا چاہیئے کب ہو جو تسکین دل و جاں ہو

خوشا حال غریباں جو عدم کی راہ چلتے ہیں
حرم میں جا کے دیوانوں کی سی صورت بنتے ہیں

غبار آلودوں کو دیکھ کر بس دل پگھلتے ہیں
ہمارے دیکھیئے ارمان دل کے کب نکلتے ہیں

خدایا تیری رحمت سے نصیب ایسا زمانہ ہو
فقیر خستہ جان و خستہ خاطر بھی روانہ ہو

گلستان حرم میں جا کے میرا آشیانہ ہو
پھر وہاں لبیک کہتا اور مری صورت دیوانہ ہو

تمنا ہے اب ان آنکھوں سے بیت اللہ کو دیکھوں
پھر اس کو دیکھ کر بیتِ رسول اللہ کو دیکھوں

۹

۵۸ - شوق زیارت مدینہ منورہ

جب مدینہ کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں

دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے مجھ میں طاقت
شوق کھینچے لئے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں

قافلے والے چلے جاتے ہیں آگے آگے
مددے شوق کہ پیچھے میں رہا جاتا ہوں

اس لئے تا نہ ملے روکنے والوں کو پتا
محو کرتا ہوا نقشِ کفِ پا جاتا ہوں

فیض مولا سے ابھی صبر کی طاقت ہے امیر
جو کڑی سامنے آتی ہے اٹھا جاتا ہوں

امیر

۵۹ - شوق زیارت مدینہ منورہ

قافلے جب کہ مدینے کی طرف جاتے ہیں
اپنی محرومی پہ ہم روتے ہیں شرماتے ہیں

گرچہ ساماں نہیں ظاہر میں مہیا لیکن
عاجزوں کی وہ مدد غیب سے فرماتے ہیں

رات دن رکھتے ہیں دل میں یہ تمنا اپنے
ہم سے محتاجوں کو کب دیکھئے بلواتے ہیں

تو مبارک ہو شہنشاہ کا روضہ آیا
عرش سے جس کی زیارت کو ملک آتے ہیں

کیا ہی اس شاہ رسل کا بھی جلالی دربار
بادشاہانِ جہاں رعب سے تھراتے ہیں

کیا ہی دربار ہے دربار حبیبِ رحمت
فیض اس در سے سبھی جن و بشر پاتے ہیں

مسکین

۶۰- شوق زیارت مدینہ منورہ

ہے تمنا یہ خدا سے کبھی ایسا ہووے
ہند سے سوئے مدینہ مرا جانا ہووے

سر کے ہوں بال کھلے پاؤں برہنہ ہووے
گیروا رنگ گلے میں مرے کرتا ہووے

خاک صحرائے مدینہ ہو ملی منہ پہ مرے
جاری آنکھوں سے مرے اشکوں کا دریا ہووے

دل مشتاق میں ہو شوق زیارت کا بھرا
تذکرہ لب پہ مرے صلِّ علیٰ کا ہووے

پہنچوں اس طرح سے جب میں در اقدس کے قریب
یا حبیبی کا زباں پر مرے نعرہ ہووے

روضۂ پاک کے چوگرد پھروں میں ایسا
جیسے پروانہ سر شمع پہ پھرتا ہووے

جوڑ کر ہاتھ کروں عرض میں یا ختم رسل
حال خستہ پہ نظر میرے خدا را ہووے

ڈر یہ بسمل ترے کوچہ میں تڑپتا ہووے
تو بھی گرم تماشا یہ تماشا ہووے

بسمل

۶۱- مدینہ کی جوگن

اب تو جاؤں گی مدینہ کو میں جوگن بنکر
پیارے احمدؐ کو میں ڈھونڈونگی بروگن بنکر
نہ تو کعبہ ہی گئی میں نہ مدینے پہنچی
ہند میں رہ گئی کمبخت میں پاپن بنکر
اب تو جانے دے مدینہ کو جو نکلیں ارماں
موت کیا پیچھے پڑی ہے مرے بیرن بنکر
سیکڑوں بار تصدق ہوں ترے روضہ پر
ہار پھولوں کا چڑھایا کروں مالن بنکر

۶۲- عرضِ حالی

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ
خود آج وہ مہمانِ سرائے فقرا ہے

بند اول

وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں — اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے — اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے
جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے — اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے
جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب — اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے
ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی — دینداروں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے
دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے — اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے
گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی — پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے
ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر — مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے
فریاد ہے اے کشتیٔ امت کے نگہباں — بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

حالی

۴۳- تحفۂ امت

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا — جہاں سے باندھ کے رخت سفر روانہ ہوا

قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا جبذول
ہوا رفیقِ اجل اشتیاقِ آزادی سمندِ عمر کو اک اور تازیانہ ہوا

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھکو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھکو

کہا حضور نے اے عندلیبِ باغِ حجاز کلی کلی ہے تری گرمیِ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا فتادگی ہے تری غیرتِ سجود و نیاز
اڑا جو پستیِ دنیا سے تو سوئے گردوں سکھائی تجھکو ملائک نے رفعتِ پرواز

نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

کہا یہ میں نے کہ سچی خوشی نہیں ملتی تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ریاضِ دہر میں ہیں یوں تو رنگ رنگ کے پھول وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

اقبال

۶۴- خدا کی باتیں خدا ہی جانے

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنے ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس کوئی ہو پنڈت کتھا بچھانے
کوئی ہے عاقل کوئی ہے فاضل کوئی نجومی لگا کہانے
جو چاہے کوئی یہ بھید کھولے یہ سب ہیں حیلے یہ سب بہانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

ہوا کے اوپر جو آسماں کا یہ چوبا خیمہ یہ تن رہا ہے
نہ اس کی میخیں نہ ہیں طنابیں نہ اس کی چوبیں دھر کھڑا ہے
ادھر ہے چاند اور ادھر ہے سورج ادھر ستارے ادھر ہوا ہے
کسی کو مطلق خبر نہیں ہے کہ کب بنا ہے یہ کا ہے کا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

حصہ اول

فلک تو کہنے کو دور رہیگا زمیں پہ اب جو یہ بستر ا ہے
کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جس پر فلک سے سرجن کا جا لگا ہے

ہزاروں حکمت کا اک بچھونا یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے
بہت حکیموں نے خاک چھانی کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

زمیں سے لیکر جو آسماں تک بھری ہے لاکھوں طرح کی خلقت
کہیں ہے ہاتھی کہیں ہے چیونٹی کہیں ہے رائی کہیں ہے پربت

جو چاہے اس کے یہ بھید کھولے کسی کو اس کی نہیں ہے طاقت
کہ جتنے جلوے دکھارہی ہے خدا کی قدرت خدا کی صنعت

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

یہ کون جانے کہ کل کیا کیا اور آج مالک وہ کیا کرے گا
کسے بگاڑے کسے سنوارے کسے لنڈھاوے کسے بھریگا

کسی کے گھر کون ہووے پیدا کسی کے گھر کون سا مرے گا
کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے کہ کیا کیا ہے وہ کیا کرے گا

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

نظیر اکبرآبادی

۶۵۔ خدا کی خدائی

بلبل و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
کل بتا دیگی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

فیصلہ گردش دوراں نے کیا ہے سو بار
مرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے

دم سے یوسف کے جب آباد تھا یعقوب کا گھر
چرخ کہتا تھا کہ یہ بیت حزن کس کا ہے

آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر
تم میں لپٹ اے گل و نسرین و سمن کس کا ہے

شان دیکھی نہیں گر تو نے چمن میں اسکی
ولولہ تجھ میں یہ اے مرغ چمن کس کا ہے

واعظا! عیب سے تو پاک ہے یا ذات خدا
ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے

ہیں فصاحت میں مثل واعظ و حالی دونوں
دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

حالیؔ

۶۶۔ حضرتِ انسان

عجب حالت ہے انساں کی عجب کچھ اس کا عالم ہے
کہ نیک و بد کا اس میں بھی پراگندہ ہے اک دفتر

نہ بھولو بھولی بھالی صورتِ انسان پر ہرگز
یہ حضرت طرفہ معجوں ہیں نہ غافل ان سے ہو دم بھر

فرشتوں سے سواہے خیر کا بھی مادّہ ان میں
شرارت پر اگر آویں تو ہیں شیطان سے بدتر

کبھی سوتے نہیں بیمار کی تیمارداری میں
کبھی سوتوں کی گردن پر چلاتے ہیں یہی خنجر

کبھی ہمدرد بن کر جان یہ دیتے ہیں غیروں پر
کبھی بھائی کے پہلو میں چبھوتے ہیں یہی نشتر

کبھی اپنے ہی ہمجنسوں کی جوتی صاف کرتے ہیں
کبھی ان کو دریغ اس میں ہے کہ دیکھیں بھی نظر بھر کر

سمجھ کر بھوت ڈرتے ہیں کبھی دیوار سے حضرت
کبھی جا ہاتھ دیتے ہیں دہانِ شیر کے اندر
کبھی کرتے ہیں یہ باتیں ملاءِ عرشِ اعلیٰ سے
کبھی ہیں پوجتے حیواں کبھی لکڑی کبھی پتھر
خدا نے دی ہے استعداد نیک و بد تجھے عارف
ہمیشہ کر یہی کوشش کہ کل ہو آج سے بہتر

عارف

۶۷- خدا کی امانت

مجنوں کا دل ہے خواہشِ لیلیٰ کے واسطے — وامق کا دل ہے دامنِ عذرا کے واسطے
بلبل کا دل بنا گلِ رعنا کے واسطے — پھر دل مرا ہے کس کی تمنا کے واسطے
یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے
پنہاں اسی میں راز ہیں کچھ رازدار کے — لایا تھا ساتھ عرشِ بریں سے اتار کے
دامن میں پھول کچھ ہیں کسی گل بہار کے — پہلو میں کچھ ہیں داغ کسی لالہ زار کے
یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

او قاصدِ شباب نہ لانا پیامِ عشق چھاتی دہل گئی ہے یہاں سن کے نامِ عشق
ہو جاؤں یوں تو جان سے دل سے غلامِ عشق ممکن ہے بھول جاؤں کبھی پی کے جامِ عشق

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

او حسن فتنہ ساز! تجھے دیکھتا تو ہوں ہے مثلِ سحرِ سامری بے شک ترا فسوں
بہتر ہے ترے عشووں سے نا آشنا رہوں تو لاکھ عشوہ باز ہو پر دل تجھے نہ دوں

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

صیادِ نقشِ طائرِ دل سے ذرا پرے کم بخت اپنے جال کو جا کر بچھا پرے
دانا ہے، کب فریب میں آتا ہے جا پرے مکار جائے مکر کے دانے گرا پرے

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

کتنے ہی اسکے چاہنے والے ہیں تاک میں دم کر رکھا ہے نفسِ ستمگر نے ناک میں
مل جائے، آہ آہ مرا دل نہ خاک میں کیا چیز لیکے جاؤں گا درگاہِ پاک میں

یہ دل مرا نہیں ہے امانت خدا کی ہے

محروم

جلد اول

۶۸۔ دل

قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دل — سارے عالم میں میں دکھا لایا
دل کہ ایک قطرہ خوں نہیں ہے بیش — ایک عالم کے سر بلا لایا
سب پہ جس بار نے گرانی کی — اس کو یہ ناتواں اُٹھا لایا
دل مجھے اس گلی میں لے جا کر — اور بھی خاک میں ملا لایا
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار — عشق کی کون انتہا لایا

اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

میر

۶۹۔ تنبیہ الغافلیں

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل — دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل
کم ظرف پُر غرور ذرا اپنا ظرف دیکھ — مانند جوشِ غم نہ زیادہ اُبل کے چل
فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوزِ دل کے ساتھ — اس پر سپند وار نہ اتنا اُچھل کے چل

یہ غول وش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہنما سایہ سے بچ کے اہل فریب و دغل کے چل
اوروں کے بل پہ بل نہ کر اتنا نہ چل نکل بل ہے تو بل کے بل پہ تو کچھ اپنے بل پہ چل
انسان کو کل کا پتلا بنایا ہے اس نے آپ اور آپ ہی وہ کہتا ہے پتلے کو کل کے چل
پھر آنکھیں بھی تو دی ہیں کہ رکھ دیکھ کر قدم
کہتا ہے کون تجھکو نہ چل چل سنبھل کے چل

ظفر

۷۰۔ سفر آخرت

کرو نہ دیر جہاں میں جہاں سے آئے چلو یہاں گمانِ خطر ہے قدم بڑھائے چلو
یہاں فریب نشیب و فراز اکثر ہے خدا کے واسطے اتنا نہ منہ اٹھائے چلو
شکستہ پا ہوں کہیں ساتھ سے نہ رہ جاؤں مجھے بھی ہاتھ ذرا دوستو لگائے چلو
ہمیشہ ملکِ عدم کے بنے رہو سفری ادھر سے لینے کو پیکِ قضا جب آئے چلو
ادھر ادھر کہیں بھر کر ترارہ جانہ پڑے سمندِ عمرِ رواں کو ذرا دبائے چلو
ابھی تو حسنِ عمل کا زمانہ باقی ہے وہاں کی بگڑی ہوئی کچھ یہیں بنائے چلو
عدم میں ترسو گے دردِ جگر کیلئے تسلیم
جو ہو سکے کوئی سینہ پہ تیر کھائے چلو

تسلیم

۱۷- بہشتی

دلوں کو لذتِ معنی کا اب حس بھی نہیں باقی
جسے دیکھو قتیلِ صورتِ دنیائے فانی ہے

حدیثِ آرزوئے قرب باری پر نظر کس کی
خدا اک لفظ ہے اور شوقِ موسیٰ اک کہانی ہے

ہوائے وادیِ ایمن کہاں اب گلشنِ دل میں
نہ وہ ارنی کا خرمن ہے نہ شوقِ لن ترانی ہے

معاذ اللہ غفلت باریاں یہ ابرِ مغرب کی
کوئی آلودۂ آز کوئی صرفِ جوانی ہے

ملا دے اپنی ہستی اشتیاقِ حسنِ باقی میں
جو اے اکبر تجھے ذوقِ حیاتِ جاودانی ہے

اکبر

۷۲- چشم باطن

میں نے مرشد سے کہا جا کر یہ اک دن التماس کار دنیا نے بہت مجھ کو کیا ہے اب اداس
جلوۂ دنیا نے مجھ کو کر دیا ہے بے بصر آخرت پر کچھ نہیں باقی رہی میری نظر
فلسفہ نے مجھ کو دکھلایا فقط دنیا کا فیکٹ میری چشم طبع کو عارض ہے غربی کیٹرکٹ
میرے حق میں کوئی فکرِ سالویشن کیجئے ہو سکے تو مذہبی اک آپریشن کیجئے
کی توجہ حضرتِ مرشد نے میرے حال پر اک نظر ڈالی مرے اقوال اور اعمال پر
چشم باطن میں دیا نشتر نگاہ تیز کا کٹ گیا وہ رنگ محسوسات کفر انگیز کا

پھر دیا دل پر مرے تقوی کی پٹی باندھ دی
آنکھ پر شوق لقائے حق کی پٹی باندھ دی

اکبر الہ آبادی

۷۳- فکر عاقبت

آئینہ رکھ دے بہارِ غفلت آرا ہو چکی دل سنوار اپنا جوانی خود آرا ہو چکی
فائدہ تن کی خرابی پر بھی لازم ہے نظر زینتِ آرائشِ قصرِ [illegible] ہو چکی

بیخودی کی دیکھ لذت ترک کرکے آرزو
ہوچکی حدِ ہوس مشقِ تمنا ہوچکی
حسنِ مطلق کے تصور سے بھی دے دو ایک جام
روئے زیبا ہوچکا زلفِ چلیپا ہوچکی
چل بسے یارانِ ہمدم اُٹھ گئے پیارے عزیز
آخرت کی اب کر اکبر فکرِ دنیا ہوچکی

اکبر

۷۴۔ فکرِ عاقبت

کیا وہ دنیا جس میں کوشش ہو نہ دیں کے واسطے
واسطے واں کے بھی کچھ یا سب یہیں کے واسطے
خوں کے دریا بہہ گئے عالم تہ و بالا ہوئے
اے سکندر کس لئے؟ دو گز زمیں کے واسطے
ذوق عاصی ہے یہ اس کا خاتمہ کیجو بخیر
یا الٰہی اپنے ختم المرسلیں کے واسطے

ذوق

۷۵۔ مآل زندگی

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے — کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا — ایک دم آئے ادھر اودھر چلے
دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس — تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے
شمع کی مانند ہم اس بزم میں — چشم تر آئے تھے دامن تر چلے
ہم جہاں سے آئے تھے تنہا ولے — ساتھ اپنے اب اسے لے کر چلے
جوں شرر اے ہستی بے بود یاں — بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے
ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

درد

۷۶- بزم حیات

میں اک بزم طرب میں میہماں تھا — بدل ممنون لطفِ میزباں تھا
سراپردہ میں جب داخل ہوا میں — وہ کچھ دیکھا کہ حیراں رہ گیا میں
ہجوم میہماناں دمبدم تھا — صلائے عام الطاف وکرم تھا
کوئی مستِ شکوہِ خسروانہ — رہینِ داب انداز شہانہ
کوئی صوفی صفت سرگرم توحید — کوئی آزاد وش شیدائے تجرید
کوئی مستِ خیالِ ساغر و مے — کوئی محوِ تلاشِ بربط و نے
کوئی اپنی خود آرائی پہ شیدا — فدائے ناز رعنائی پہ شیدا
کوئی شمشیر درکف طالب جنگ — غرض جس شخص کو دیکھا جدا رنگ
صفیں موزوں کئے بیٹھے ہیں یکسو — صنوبر قامتانِ عنبریں مو
کہیں دہقاں کسی جانب کو تجار — زیان و سود میں سرگرم گفتار
مہیا جا بجا کھانے کے ساماں — جہاں جس جنس کو دیکھا فراواں
پیالے تازہ کھانا بٹ رہا ہے — کمر باندھے ہر ایک خادم کھڑا ہے
صلائے عام ہے سب آؤ کھاؤ — جو کچھ مرغوب ہو منگواؤ کھاؤ

جو ہیں اہل جماعت حصے لیجائیں — برابر ساتھیوں میں بیٹھکر کھائیں
ولیکن منصفانہ ہو وہ قسمت — کہ تا ہر فرد ہو سرگرم فرحت
جسے درکار ہو مانگے یہاں سے — نہ جھینپے کوئی عاجز میزباں سے
کمی یاں کچھ کسی شے کی نہیں ہے — یہ بزم دعوت شاہ زمیں ہے
ضعیفوں کی قوی خدمت بجالائیں — انھیں سمجھا کے اپنے ساتھ کھلوائیں
ہنسیں بولیں پھریں دیکھیں بہیں گھر — سپاس میزباں دل سے بجالائیں

پیام شاہ جب پہنچا چکا وہ
مخاطب ہو کے پھر کہنے لگا وہ

سنو اے میہمانو! تم مری بات — کہ بزم امتحاں ہے آج کی رات
شہنشاہ دو عالم میزباں ہے — خوشا بخت اس کا جو یاں میہماں ہے
سحر قصر شہنشاہی سے کھلے گا — سجے ہیں جس میں کمرے لاکھوں نرالے
دکھائے آج جو جیسی لیاقت — اسی درجہ کی کل پائے وہ نعمت
زباں پر میری ہے جس قصر کی بات — اسی کا نام ہے دار المکافات
سمجھ اور سوچ کر اب تم پیو کھاؤ — ملا ہے حکم جو تم کو بجا لاؤ
وہ دیکھو غرفۂ ایواں کھلا ہے — تمھارا میزباں خود دیکھتا ہے

ذرا بھی کچھ چھپا سکتے نہیں تم نظر اس کی بچا سکتے نہیں تم
کوئی جو کچھ فسوں سازی کریگا دل اس کا اس کی غمازی کریگا

ہر اک کو عرض بیگی نے جتایا
مگر ہر اک نرالا رنگ لایا

کوئی تو پینے کھانے میں ہوا محو کوئی گانے بجانے میں ہوا محو
کسی نے دستِ جبر اپنا بڑھا کر گلا گھونٹا کسی عاجز کا جا کر
کریم النفس تھے ایسے بھی اکثر کہ کمریں باندھ کر مانند چاکر
ضعیفوں کی لگے کرنے مدارات بہ دل تعمیل کی جو کچھ سنی بات
کچھ ایسے بھی وہاں آزاد دیکھے جو یکسوئی کی دھن میں شاد دیکھے
وہیں ایسے بھی دیکھے عالی ہمت کہ اپنے حصہ کے خوانوں کی نعمت
لگے تقسیم کرنے خود نہ کھا کر کریموں کی طرح سب سے چھپا کر
نظر ایسے بھی آئے پاک طینت نہ تھی ان کو کسی شے سے بھی رغبت
سوئے ایوانِ شاہی لو لگائے کھڑے ہیں دم بخود آنکھیں ملائے
بندھی ہے ٹکٹکی تن کا نہیں ہوش بھرا ہے دل میں شوقِ دید کا جوش
خردمند ایسے بھی واں دیکھنے پائے سوئے ایوان شاہی لو لگائے

غریبوں کی بھی خدمت کر رہے ہیں — عتابِ شہ سے دل میں ڈر رہے ہیں
کھلاتے بھی ہیں اور خود بھی ہیں کھاتے — خوشی پہنچا کے ہیں خوشیاں مناتے
بہت ایسے بھی دیکھے میں نے بیباک — سمجھتے تھے جو خود کو فن میں چالاک
لگے جیبیں کترنے دھوکے دے کر — جو کچھ پایا چلے مٹھی میں لے کر
کہیں پر ہے غضب بدکار خونخوار — جفا پیشہ ستمگر مردم آزار
غرض ہر اک تھا حالِ خاص میں محو — بطرزِ خود خیالِ خاص میں محو

بغور ان کے جو دیکھے میں نے احوال
نظر آیا مجھے پھر اک نیا حال

کمر میں سب کے اک پھندا پڑا ہے — بہت باریک ڈورے سے بندھا ہے
اور اس ڈورے میں گرہیں دی ہوئی ہیں — وہ سب قسمت بہ نوبت کھل رہی ہیں
مگر ہے مختلف گرہوں کی تعداد — نہیں تعداد ان سب کی مجھے یاد
کسی میں دس کسی میں بیس یا تیس — کم از کم ایک زیادہ ایک سو بیس
گرہ کے آگے پیچھے اور برابر — بنے ہیں کچھ نشاں ڈورے کے اوپر
سرا ڈورے کا ہے پردے کے باہر — کوئی تھامے ہوئے ہوگا مقرر
کشش ڈورے کی ہے باہر کو پیہم — نہیں تھمتا کسی ساعت کسی دم

نشانِ خاص تک جس وقت پہنچا
لگا تا ہے کوئی باہر سے جھٹکا
پتا ملتا نہیں پھر رفتنی کا
گزرتی ہے نہ معلوم اس پہ پھر کیا

تماشا بیں نے یہ دیکھا پیاپے
بجاتا تھا ابھی اک خوش ادا نے
لگا جھٹکا کہاں سے پھر کہاں وہ
نہ آیا تھا کبھی گویا یہاں وہ
ابھی اک شوخ محوِ زلف و شانہ
حسینِ دہر یکتائے زمانہ
خرام ناز میں نخوت سے تن کر
نظر کرتا نہ تھا سروِ چمن پر
یکایک کھا کے جھٹکا لڑکھڑایا
کھنچا پردے سے باہر پھر نہ آیا
کوئی ہوتے ہی داخل جھٹکا کھا کر
پھرا الٹے قدم صورت دکھا کر
لگا تانتا یہ آمد شد کا ایسا
کہ اب تک ہی مجھے بالکل اچنبھا
ہوئی وہ گرمیِ محفل کہ مت پوچھ
بیانِ لطف ہے مشکل کہ مت پوچھ
مگر آدھی پڑے پھیکا پڑا رنگ
لگے سب اونگھنے ہونے لگے تنگ
لگے ڈوروں میں بھی جھٹکے پیاپے
کوئی خوش اور کوئی ناشاد اٹھے

بوقتِ صبح کی میں نے نظر وال
تو محفل گاہ تھی اک ہو کا میداں

تاسف سے ہوا میں دل میں ششدر
کہا خادم نے شہ کے مت ہو مضطر

ہزاروں محفلیں ہیں لاکھوں مہماں
ابھی تک تونے کیا دیکھا ہے نادان

شہنشاہانہ فیاضی ہے دائم
ازل سے ہے ابد تک یونہی قائم

بجا لا حکم شاہی شادماں رہ
ہر اک محفل کا رنگین میہماں رہ

مطیعوں پر کھلے ہیں باب رحمت
مؤدب پاتے ہیں ہر روز خلعت

حضوری ملتی ہے اہلِ طلب کو
خطابِ قرب اربابِ ادب کو

خیالِ غیر سے مطلب نہ رکھنا
توقع غیر بابِ رب نہ رکھنا

کیا کر بیکسوں کی دستگیری
یہی ہے شاہ کی فرماں پذیری

یہ کہکر خادمِ شاہی بہ عجلت
ہوا مجھ سے ملا کر ہاتھ رخصت

تعجب ہے مجھے یہ راز کیا تھا
ہوئی کس طرح برہم بزم زیبا

خیالِ احمدی کیوں ہو پریشاں
حضورِ آستانِ پاکِ یزداں

احمدی

———•⋅⋅•———

۷۷۔ دارالغرور دنیا

ہر شمع اپنے زعم میں یاں برقِ طور ہے ہر کنکری کو ہمسری کوہِ نور ہے
عالم میں کبر و عجب کا ہر سو ظہور ہے دنیائے انکسار جو ہے یاں سے دور ہے
ہم کو تو اس جہاں سے شکایت ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دارالغرور ہے

شاہوں کو اپنی صولت شاہی پہ ہے گھمنڈ نعمت پہ عیش و عشرت شاہی پہ ہے گھمنڈ
جاہ و حشم پہ دولت شاہی پہ ہے گھمنڈ طبل و علم پہ شوکت شاہی پہ ہے گھمنڈ
ہر شخص ان کو دیکھ کے کہتا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دارالغرور ہے

زاہد کو دیکھئے تو الگ اس کی شان ہے خلقِ خدا پہ طعن ہے طاعت کا مان ہے
حضرت کو زہدِ خشک پہ کتنا گمان ہے بگڑا ہوا مزاج سرِ آسمان ہے
جو اُس کے ڈھنگ دیکھ لے کہتا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دارالغرور ہے

عالم جو اپنے علم پہ پھولا ہوا نہیں ہم کو تو اس جہاں ابھی تک ملا نہیں

جاہل یہ کون عالم دانا ہنسا نہیں　　رونا یہ ہے کہ کوئی بھی عجز آشنا نہیں　جملہ اول

نشۂ شراب علم میں ہے او رضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

محروم خاکسار جہاں کا یہ حال ہے　　ہو اس جہاں سے دور جو فکر مآل ہے
نام و نمود نے جو بچھایا یہ جال ہے　　بچنا مرے خیال میں اس سے محال ہے
گر کھل سکی نہ آنکھ تو پھنسنا ضرور ہے
دنیا ہے جس کا نام وہ دار الغرور ہے

محروم

۷۸۔ احتساب زندگی

بتا اے خاک کے پتلے کہ دنیا میں کیا کیا ہے　　بتا کہ دانت ہیں منہ میں ترے، کھایا پیا کیا ہے
بتا خیرات کیا کی راہ مولا میں دیا کیا ہے　　یہاں سے عاقبت کے واسطے توشہ لیا کیا ہے
دعائیں لیں کبھی ٹھنڈا کیا دل دردمندوں کا
بھرے حالوں میں تو شامل ہوا محتاج بندوں کا
کسی گم کردہ رہ کی خضر بنکر رہنمائی کی　　کسی کی ناخن تدبیر سے عقدہ کشائی کی

وہ مشکل کسی مظلوم کی حاجت روائی کی — کسی کی دستگیری کی کسی سے کچھ بھلائی کی
کبھی کچھ کام بھی آیا کسی آفت رسیدہ کے
کبھی دامن سے پونچھے تو نے آنسو آبدیدہ کے

شریک درد و غم ہو کر کسی کا دکھ مٹایا ہے — مصیبت میں کسی آفت زدہ کے کام آیا ہے
پرائی آگ میں پڑ کر کبھی دل بھی جلایا ہے — کسی بیکس کی خاطر جان پر صدمہ اٹھایا ہے
کبھی آنسو بہائے ہیں کسی کی بدنصیبی پر
کبھی کچھ ترس کھایا تو نے مفلس کی غریبی پر

کبھی تو نے کسی برگشتہ قسمت کی خبر لی ہے — کسی ماتم زدہ کی تو نے دلجوئی کبھی کی ہے
کسی کے واسطے آفت میں اپنی جان ڈالی ہے — کسی بے خانماں کو وقت مشکل کچھ مدد دی ہے
کبھی کچھ دلنوازی کی ہے تو نے دل شکستہ کی
کبھی کچھ چارہ فرمائی بھی کی زخمی خستہ کی

کبھی امداد دی تو نے کسی بیکس بچارے کو — سخی بن کر دیا کچھ تو نے مفلس کے گزارے کو
تسلی دی کبھی تو نے کسی آفت کے مارے کو — کبھی تو نے سہارا بھی دیا ہے بے سہارے کو
شریک درد دل ہو کر خبر لی بینواؤں کی
لگی ہے چوٹ بھی دل پر صدا سن کر گداؤں کی

مرقع عسرت و عشرت کا یہ نیرنگ عالم ہے کہیں ہے نغمۂ شادی کسی جا شور ماتم ہے
کوئی خنداں کوئی شاداں کوئی با دیدۂ نم ہے دو رنگی ہے زمانہ کی کہیں شادی کہیں غم ہے
کبھی دورِ خزاں ہے اور کبھی فصلِ بہاری ہے
کبھی ہیں وصل کی راتیں کبھی اختر شماری ہے

ذرا تو سوچ اے غافل رہیگا شادماں کبتک کریگا خون اپنے وقت کا ناقدرداں کبتک
ترے باغِ جوانی میں نہ آئیگی خزاں کبتک رہیگا تیری قسمت سے موافق آسماں کبتک
رہیگا تو لگے مصروف دنیا کے جھمیلے میں
کہاں تک کھوئیگا عمرِ رواں باقی کے ریلے میں

نہ ہو تو عیش پر نازاں دو روزہ ہے خوشی تیری سرشک خوں رلائیگی یہ دم بھر کی ہنسی تیری
عبث ہے ہستیٔ موہوم سے دلبستگی تیری رہینِ پنجۂ دستِ اجل ہے زندگی تیری
عبث ہے بیکسی پہ اس قدر انداز مستانہ
چھلک جائیگا ہوکر عمر کا لبریز پیمانہ

فنا و زیست کا اک روز قصہ پاک ہوتا ہے اجل کے ہاتھ سے دامانِ ہستی چاک ہوتا ہے
کبھی تو پائمالِ گردشِ افلاک ہوتا ہے کسی دن خاک میں ملتا ہے آخر خاک ہوتا ہے

حباب آسا قرار زیست ہو دنیائے فانی میں
جو تجھ سے ہو سکے کرلے بھلائی زندگانی میں

نہ دولت ساتھ جائیگی نہ قسمت ساتھ جائیگی   نہ شوکت ساتھ جائیگی نہ رفعت ساتھ جائیگی
پسر و زن نہ یارانِ امارت ساتھ جائینگے   نہ عظمت ساتھ جائیگی نہ صولت ساتھ جائیگی

جو پوچھے جائینگے محشر میں وہ اعمال ہیں تیرے
اگر کچھ ساتھ جائینگے وہ نیک افعال ہیں تیرے

مناسب ہے کہ نیک اعمال کر طاعت گزاری کر   پسندیدہ طریقے سیکھ عجز و انکساری کر
بھلائی کر بدی سے باز آ پرہیزگاری کر   جو تجھ سے ہو سکے تو خلق کی خدمتگزاری کر

اگر نیکی کرے گا تو خدا اس کا ثمر دے گا
ترا دامن وہی امید کے پھولوں سے بھر دیگا

بطرا دّل

برق دہلوی

۷۹ - قدیم سادہ زندگی

یاد ایام کہ بیرنگ تھی تصویر جہاں   دستِ مشاطہ نہ تھا محرمِ زلفِ دل و راں
گل خود روے بسا تھا چمنِ کون و مکاں   چار سو حسنِ خداداد کا سکہ تھا رواں

وضعِ عالم میں نہ آیا تھا تغیراب تک
خطِ قدرت کی وہی شان تھی اور نوک پلک

طفلِ معصوم کی مانند تھا یہ عالمِ پیر — تھے ہم اک صنعتِ بیچون و چرا کی تصویر
مالکِ فطرت میں نہ تھی سلطنتِ نفسِ شریر — ہم نے مملکتِ روح نہ کی تھی تسخیر
خوابِ غفلت کی گھٹا دل پہ نہ چھائی تھی بہت
دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم — نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبگار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر اک رنج میں غمخوار تھے ہم — مددِ غیر سے اصلا نہ خبردار تھے ہم
جو سبق آئے تھے استادِ ازل سے لے کر
وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یاں رہبر

اصل سے دور بہت ہونے نہ پائے تھے ابھی — دیس ہی چھوٹ کے پردیس میں آئے تھے ابھی
دن جدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے ابھی — ڈال سے توڑ کے بازار میں لائے تھے ابھی
عرصہ گزرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت
جی لگا تھا نہ ابھی غیروں کی صحبت میں بہت

صاف آئینۂ دل میں نظر آتا تھا کوئی — روبرو جس کے جگہ دل میں نہ پاتا تھا کوئی

جلد اول

جی وہ جی تھا کہ نہ جس جی کو لبھاتا تھا کوئی   آنکھ وہ آنکھ تھی جس میں نہ سماتا تھا کوئی

روح تھی بادۂ دوشینہ سے اپنی بدمست
تھا ترقی پہ ابھی نشۂ صہبائے الست

اس قدر عمرِ دو روزہ پہ نہ مغرور تھے ہم   عیش و عشرت کے طلسموں سے بہت دور تھے ہم
کسی محنت سے مشقت سے نہ معذور تھے ہم   آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور تھے ہم

تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے
خود ہی بیمار تھے اور خود ہی مسیحا اپنے

خود نمائی و خود آرائی کا کچھ دھیان نہ تھا   کبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا
گھر میں سامان نہ تھا در پہ نگہبان نہ تھا   جی میں فرعونِ زماں بننے کا ارمان نہ تھا

آ کے دنیا میں بہت پاؤں نہ پھیلاتے تھے
اک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

ایک سے ایک نہ کم تھا نہ زیادہ سرِمو   سب تھے ہم ایک ترائی کے درختِ خودرو
حاجتیں لیکے کسی در پہ گئے تھے نہ کبھو   نہ زمیں بوسی کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو

دستِ قدرت کے سوا سر پہ کوئی ہاتھ نہ تھا
ایک قبلہ تھا کوئی قبلۂ حاجات نہ تھا

آمدِ موسمِ گل میں تھا عجب لطف ہوا آندھیوں نے کئے انجام کو طوفاں پیدا
چشمہ نزدیک تھا منبع سے تو تھا عین صفا جتنا بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا
مٹتے مٹتے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

حالی

۸۰ - کلمۃ الحق

اے راست گوئی کیا قہر ہے تو اے حق کی تلخی کیا زہر ہے تو
شے تجھ سے کوئی کڑوی نہ ہوگی حنظل میں ایسی تلخی نہ ہوگی
ہے ناگواری پہچان تیری "الحق مُرٌّ" ہے نشان تیری
یاروں کو کرتی اغیار تو ہے چلواتی گھر گھر تلوار تو ہے
رشتے ہزاروں تو نے توڑائے باپوں سے بیٹے تو نے چھڑائے
بے جرم مسموم تو نے کرائے سولی پہ معصوم تو نے چڑھائے
تو نے صلے میں بخشے ہیں اکثر سولی کے اور رنگ کانٹوں کے افسر
خونخوار لشکر ہیں ساتھ تیرے رنگیں لہو میں ہیں ہاتھ تیرے

تیری جلو میں رسوائیاں ہیں — سنگت میں تیری تنہائیاں ہیں
تدبیر ہے تو ناکامیوں کی — تقریب ہے تو بدنامیوں کی
تو آشتی کی رہتی ہے دشمن — تو مصلحت سے رکھتی ہے ان بن
قطع و برش ہے تاثیر تیری — رہتی ہے ننگی شمشیر تیری
ہوتی ہے جس جا تو جلوہ گستر — دفتر بہت سے ہوتے ہیں ابتر

پڑتی ہے ہل چل ہر مرحلے میں
آتی ہے دنیا اک زلزلے میں

اے راست گوئی اے تیغ براں — تیرا مخالف کیوں ہو نہ دوراں
سب وحشت آگیں مضموں ہیں تیرے — نت مصلحت پر شبخوں ہیں تیرے
گن تیرے جن پر ظاہر ہوئے ہیں — وہ تیری دھن میں آخر ہوئے ہیں
اُٹھتی ہیں دل سے جب تیری موجیں — ہوتی ہیں نازل واں حق کی فوجیں
دیتی ہے ہمت اُس کو سہارے — کرتی ہے اُمید پنہاں اشارے
عزم اُن کی مشکل کرتا ہے آساں — دل ان سے لاکھوں کرتا ہے پیماں
چھا جائے ظلمت گو بحر و بر میں — ہے روز روشن ان کی نظر میں
زور ان پہ تیرے ہیں آشکارا — مٹھی میں ان کے عالم ہے سارا

عظمت جہاں ہے تری سمائی
پربت وہاں ہے نظروں میں رائی

اے رحمت گوئی تو ہی وہ افسوں منکر بھی دل سے ہیں جس پہ مفتوں
تلخی میں تیری طرفہ مزا ہے ہر دل میں کھبتی تیری ادا ہے
تو نے جہاں دی آواز جا کر لاکھوں سر اٹھے تیری صدا پر
ہوتی ہے دھیمی پرواز تیری بڑھتی ہے کم کم آواز تیری
پھر دوڑتی ہے یوں مرد و زن میں جس طرح آتش لگتی ہے بن میں
بنتے ہیں دشمن انصار تیرے ہوتے ہیں قیدی احرار تیرے
آہٹ سے تیری کرتے ہیں جو رم ہیں گدگداتے دل ان کے ہر دم
جوں جوں وہ زد سے کرتے ہیں دوری ضرب ان پہ تیری پڑتی ہے پوری
جاتا ہے آہو جب چوٹ کھا کر گرتا ہے آخر کچھ دور جا کر
تجھ سے بھی جو ہیں وحشی بدکتے پھر پھر کے تجھ کو جاتے ہیں تکتے
بھاگے ہیں کھا کر زخم نہاں وہ جائیں گے بچ کر تجھ سے کہاں وہ
دیتی ہے اول تو زخم کاری مرہم کی آخر آتی ہے باری
جس سرزمیں میں پانی ہے عنقا تو چھیڑتی ہے واں ذکر دریا

زہر اس عسل کو تو ہے بتاتی جس میں حلاوت ہو سب کو آتی
اس نیش میں تو کبھی شفا ہے نیش اجل کا جس میں مزا ہے
طوفاں کی آہٹ پہلے سے پاکر بڑوں میں چرچا کرتی ہے جاکر
پاتی ہے گھر میں جب کچھ دھواں تو آگ آگ کا غل کرتی ہو واں تو
جھڑکی ہو تیری عادت میں داخل ترشی ہو تیری طینت میں داخل

یاں نام ترا جس نے لیا ہے
عالم کو اپنا دشمن کیا ہے

اے راست گوئی اے ابر رحمت ہے اس چمن میں سب تیری برکت
عالم ہے سرسبز تیرے قدم سے آباد یہ گھر ہے تیرے دم سے
جن بستیوں میں تو چھپائی کھیتی انہی کی یاں لہلہائی
بنیاد اپنی جس جا تو نے زباں کی نکہت نے منزل آکر وہاں کی
ہوتے رہے ہیں سب ملک و ملت سرسبز تجھ سے نوبت بہ نوبت
کھلتے رہے ہیں گل تیرے ہر سو مہکی ہو اکثر یاں تیری خوش بو
گو تجھ میں تلخی حد سے سوا ہے پر تیری دارو صحت فزا ہے
گو علم کی ہے تو زندگانی پر جہل تیرا دشمن ہے جانی

جاہل ہمیشہ تجھ سے لڑے ہیں ناداں ہزاروں تجھ سے اڑے ہیں
لاکھوں بلائیں آئی ہیں تجھ پر اکثر گھٹائیں چھائی ہیں تجھ پر
ملکوں نے تجھ پر حملے کئے ہیں
قوموں نے تجھ سے بدلے لئے ہیں
اے کلمۃ الحق اے سر یزداں جس وقت ہو تو پردے سے عریاں
ہوں تیرے جس دم انصار تھوڑے دشمن بہت ہوں اور یار تھوڑے
عالم ہو تیرا جب ناشناسا
حالی کو رکھیو اپنا شناسا

حالی

۱۸ حیا

او حیا او پاسبانِ آبرو نیکیوں کی قوتِ بازو ہے تو
پاک دامانی پہ تجھ کو ناز ہے کیا ہی تیرا دلپذیر انداز ہے
جب سمائی آنکھ میں تو شل ہوئی بدنگاہی سے رہی وہ آنکھ دور
دامنِ عصمت تو رکھتی ہے پاک ہے سدا جرم و گنہ سے تجھ کو باک

گر نہ ہوتا درمیاں تیرا حجاب ‌ ‌ ‌ فعلِ بد سے کون کرتا اجتناب
جب خطا کرتی ہے دل میں شور و شر ‌ ‌ ‌ تو ہی بنجاتی ہے واں سینہ سپر
ذلت و خواری تجھے بھاتی نہیں ‌ ‌ ‌ تاب رسوائی کی تو لاتی نہیں
تو ذلت کو سمجھتی زہر ہے ‌ ‌ ‌ اور ملامت تیرے حق میں قہر ہے
مفلسوں کی ہے تو ہی پشت و پناہ ‌ ‌ ‌ تو سجھاتی ہے عرق ریزی کی راہ
گو تہیدستی کے ہو جائیں شکار ‌ ‌ ‌ ہے مگر تجھکو گدائی ننگ و عار
ہے ترے نزدیک مرجانا پسند ‌ ‌ ‌ پر نہیں ہے ہاتھ پھیلانا پسند
اس قدر تجھ کو نہیں پروائے نان ‌ ‌ ‌ جس قدر تو آن پر دیتی ہے جان
آبرو کھوتی نہیں از بہرِ قوت ‌ ‌ ‌ لب پہ بنجاتی ہے تو مہرِ سکوت
اغنیا کے دل کو گرماتی ہے تو ‌ ‌ ‌ بخل اور خست سے شرماتی ہے تو

تو ہی سکھلاتی ہے ان کو بذلِ مال
زخمِ خنجر ہے تجھے ردِّ سوال

اسمٰعیل

۸۲- مفلسی میں تسلّی

بے زری کا نہ کر گلا غافل ‏ رکھ تسلّی کہ یوں مقدّر تھا
اتنے منعم جہان میں گزرے ‏ وقتِ رحلت کے کس کنے زر تھا
صاحبِ جاہ و شوکت و اقبال ‏ دیکھ زاں جملہ اک سکندر تھا
تھی یہ سب کائنات زیرِ نگیں ‏ ساتھ مور و ملخ سا لشکر تھا
لعل و یاقوت ہم زر و گوہر ‏ چاہیئے جس قدر میسّر تھا
آخرِ کار جب جہاں سے چلا ‏ ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا

خوش رہا جب تلک رہا جیتا
میرؔ معلوم ہے قلندر تھا

میر

۸۳- طرزِ معاش

کاٹیئے دن زندگی کے ان یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح

منزل دنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں مہماں سرا میں میہمانوں کی طرح
سعی سے اکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح
رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرماں روا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح
شادمانی میں گزرتے اپنے آپے سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح
رکھتے ہیں تمکیں جوانی میں بڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں چونچال پیری میں جوانوں کی طرح
پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
پر بھلا تکتے ہیں اک کا یگانوں کی طرح
ان کے غصے میں ہی دلسوزی ملامت میں ہی پیار
مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح
کام سے کام اپنے ان کو گو ہو عالم نکتہ چیں

رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح جلد اول

طعن سن سن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار

دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

کیجئے کیا حالی نہ کیجئے سادگی گر اختیار

بولنا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

حالی

۴۸۔ تحفظ تعلقات

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

تکلف علامت ہے بیگانگی کی
نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ

نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے
نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ

جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے
نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ

مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا
مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

کہیں دوست تجھ سے نہ ہو جائیں بدظن
جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ

جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا
نہ رکھو امیروں سے ملت زیادہ

ہی الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم
نہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ
ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر
نہیں ہے بس اب اس سے مہلت زیادہ
غزل میں وہ رنگت نہیں تیرے حالی
الاپیں نہ بس آپ دھرپت زیادہ

حالی

۸۵۔ بے اعتدالی

تم اے خود پرستو! طبیعت کے بندو
ذرا وصف اپنے سنو کان دھر کے
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز
جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس اُدھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت
تو جیخ اٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے
جو مجرے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک
کہ اٹھ جائیں ساتھی سب ایک ایک کر کے
اگر پل پڑے جو سر اور گنجفہ پر
تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جانو
کہ بس ٹھن گئے عزم جنگِ تتر کے
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر
تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے

پڑا تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو کہ چھوڑینگے اب آپ دوزخ کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی رہیں پاؤں کے ہوش جب پیٹ بھر کے
جو کھانا تو بے حد جو پینا تو ات گت
غرض یہ کہ سرکار رہیں پیٹ بھر کے

حالی

۸۶- مٹّی کا دیا

جھٹ پٹے کے وقت گھر سے ایک مٹّی کا دیا
ایک بڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا
تاکہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور اس لمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھئے
ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا

سرخروِ آفاق ہیں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

حالی

۸۷۔ حکمت

ممکن ہے کہ ٹل جائے جبل اپنے مقر سے — لیکن کبھی تبدیل جبلت نہیں ہوتی
ہو جان کی جوکھوں بھی اگر راہِ طلب میں — پست اس سے اولوالعزم کی ہمت نہیں ہوتی
خلوت میں بھی لاتے نہیں عاقل اسے منہ پر — جو بات کہ شایستۂ جلوت نہیں ہوتی
ہم کرتے ہیں عادت کی غلامانہ اطاعت — اصلاح پذیر اس لئے عادت نہیں ہوتی
بچے کی طرح جو کوئی محکوم ہوا ہو — اس شخص کی دنیا میں کہیں پت نہیں ہوتی

دنیا کی ہے قیامت یہی خونخوار جہاں میں
کچھ غم نہیں ہوتا جو محبت نہیں ہوتی

لو جان بیچ کر بھی جو فضل و ہنر ملے — جس سے ملے جہاں سے ملے جس قدر ملے
جب چشمِ آز چھوٹ گئی سب خلش مٹی — اب سنگریزہ ہاتھ لگے یا گہر ملے

ممکن نہیں بغیر قناعت فراغ بال
ہر چند تودہ تودہ تجھے سیم و زر ملے

غیرِ توکّل نہیں چارہ مجھے — اپنے ہی دم کا ہے سہارا مجھے
حرص و طمع نے تو ڈبویا ہی تھا — صبر و قناعت نے ابھارا مجھے
فرصتِ اوقات ہے بس مغتنم
یہ نہیں ملنے کی دوبارہ مجھے

اسمٰعیل

۸۸۔ حکمت

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی — میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی
نہ سنو گر بُرا کہے کوئی — نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی — بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند — کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے — اب کسے رہنما کرے کوئی
جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب
کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

غالب

۸۹- ترانۂ مسلم

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا — مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا — ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

تیغوں کے سایہ میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں — خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے — ممکن نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اے ارضِ پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم — ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری — تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

اے موجِ دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو — اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

اے گلستانِ اندلس وہ دن ہیں یاد تجھکو — تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا — اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

اقبال

۹۰- مژدہ

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا وصلِ دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

نہیں رہا اب وہ دورِ ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے
جہان سارا بنے گا مے خانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

سفینۂ برگِ گل بنا لے گا کارواں مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا کے پار ہوگا

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آ بسینگے
برہنہ پائی وہی رہیگی مگر نیا خار زار ہوگا

چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہی داغ اپنا کلی کلی کو
وہ یہ سمجھتا ہی اس دکھاوے سی دل جلوں میں شمار ہوگا

نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانہ ابھی وہی کیفیت ہی اسکی
کہیں سرِ رہ گزار بیٹھا ستم کشِ انتظار ہوگا

اقبال

۹۱۔ فقیر کی صدا

گر قوم کی خدمت کرتا ہے　　احسان تو کس پر دھرتا ہے
کیوں غیروں کا دم بھرتا ہے　　کیوں خوف کے مارے مرتا ہے
اس ہاٹ کا یہ ہی برتا ہے　　کچھ گا نٹھ سے دے تب ترتا ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

جو عمر میں مفت گنوائے گا　　وہ آخر کو پچھتائے گا
کچھ بیٹھے ہاتھ نہ آئے گا　　جو ڈھونڈے گا وہ پائے گا
تو کب تک دیر لگائے گا　　یہ وقت بھی آخر جائے گا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

جو موقع پا کر کھوئے گا　　وہ اشکوں سے منہ دھوئے گا
جو سوئے گا وہ روئے گا　　اور کاٹے گا جو بوئے گا
تو غافل کب تک سوئے گا　　جو ہونا ہو گا ہوئے گا

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اب دنیا کا وہ رنگ نہیں وہ طرزِ صلح و جنگ نہیں
اغیار کا تو پاسنگ نہیں کیا تجھکو شرم و ننگ نہیں
گو تاج نہیں اورنگ نہیں پر ملک خدا کا تنگ نہیں

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

یہ دنیا آخر فانی ہے اور جان بھی اک دن جانی ہے
پھر تجھ کو کیوں حیرانی ہے کر ڈال جو دل میں ٹھانی ہے
جب ہمت کی جولانی ہے تو پتھر بھی پھر پانی ہے

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

دیوانہ

———.<✧>.———

۹۲- تنبیہ مسلم

سینۂ کوہ جسے سُن کے دہل جاتا تھا لیکے وہ بارِ امانت تو سنبھل جاتا تھا
لن ترانی کی صدا سُن کے مچل جاتا تھا ایک جلوے کے لئے آگ میں جل جاتا تھا
سازِ توحید کا اک نغمۂ بیتاب تھا تو ایک جوہر تھا مگر ایسا نہ کمیاب تھا تو
مثلِ نرگس نہ کبھی شیفتۂ خواب تھا تو سرعتِ برق تھا تو ہستیِ سیماب تھا تو

جستجو کی وہ مگر تیری ادائیں نہ رہیں
ذوق آلودہ وہ پُر درد صدائیں نہ رہیں

ہو کے نکہت تجھے پرہیز پریشانی سے گل ہی اور ڈر تجھے آشفتہ گریبانی سے
جلوہ ہو کر تو جھجکنے لگا عریانی سے شعلہ ہو کر یہ حذر سوختہ سامانی سے
کیا ترا بیعتِ رضواں میں یہی پیماں تھا کیا یہی درسِ علیؓ و عمرؓ و عثمانؓ تھا
یہی اسلام تھا پہلے بھی یہی ایماں تھا کیا شہِ یثرب و بطحیٰ کا یہی فرماں تھا

جا نکل تو ہے مذلت کا اگر متوالا
ترا محتاج نہیں گنبدِ خضرا والا

۹

۹۳۔ مردانِ خدا

کوچۂ دوست میں رکھ پاؤں ادب سے غافل
سرکش اس راہ میں گردن کو جھکا لیتے ہیں

حق تو یہ ہے کہ عجب لوگ ہیں مردانِ خدا
اپنے سر غیر کی ناحق یہ بلا لیتے ہیں

سامنا لاکھ مصیبت کا پڑے پر کوئی
آسرا غیر کا مردانِ خدا لیتے ہیں

گرچہ درویش ہیں یہ لوگ مگر چاہیں تو
سلطنت مول ترے در کے گدا لیتے ہیں

میرے ویرانہ میں درویش بھی سلطان ہو جائے
یاں بسیرا سرِ شام آ کے ہما لیتے ہیں

جامِ جم سے اسے رتبہ میں سمجھتے ہیں زیاد
بھیک جس کاسہ میں تیرے فقرا لیتے ہیں

سہند

۹۴۔ فاطمہ

[ایک عرب کی لڑکی جو غازیان طرابلس کو عین میدانِ کارزار میں مشک سے پانی پلاتی پھرتی تھی اور بالآخر خود بھی جنت کو سدھاری]

فاطمہ تو آبروئے ملتِ مظلوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

کس قدر عزت تجھے اے حور صحرائی ملی
غازیانِ ملتِ بیضا کی سقائی ملی

ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کسقدر
دل کہ برگِ نازکِ گل سے بھی تھا پاکیزہ تر

موت کے اندیشۂ جانکاہ سے بیگانہ تھا
موجۂ خوں کی ہم آغوشی سے بھی ڈرتا نہ تھا

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یا رب اپنے خاکستر میں تھی

سینۂ ملت میں ایسا جلوۂ نادیدہ تھا
جس کے نظارہ میں اک عالم سراپا دیدہ تھا

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

اقبال

۹۵- شجر ملت

ڈالی گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحاب بہار سے

ہے لازوال عہدِ خزاں اس کے واسطے
کچھ واسطہ نہیں ہے اُسے برگ و بار سے

فصلِ خزاں ہے تیرے گلستاں میں خیمہ زن
خالی ہے جیبِ گل زرِ کامل عیار سے

جو نغمہ زن تھے خلوتِ اوراق میں طیور
رخصت ہوئے ترے شجرِ سایہ دار سے

شاخ بریدہ سے سبق اندوز ہو کے تو
واقف نہیں ہے قاعدۂ روزگار سے

مذہب کے ساتھ واسطۂ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اقبال

۹۶۔ شغلِ تکفیر

اک مولوی صاحب نے کہا میں نے کہ کیا آپ — کچھ حالتِ یورپ سے خبردار نہیں ہیں
آمادۂ اسلام ہیں لندن میں ہزاروں — ہر چند ابھی مائل اظہار نہیں ہیں
جو نام سے اسلام کے ہو جاتے تھے برہم — ان میں بھی تعصب کے وہ آثار نہیں ہیں
افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا — یا ہیں تو بقول آپ کے دیں دار نہیں ہیں
کیا آپ کے زمرہ میں کسی کو نہیں یہ درد — کیا آپ بھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں؟
جھلا کے کہا یہ کہ یہ کیا سوء ادب ہے — کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں
کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بے کار نہیں ہیں

شبلی

۹۷- گل

تجھے کیا فکر ہے اے گل دلِ صد چاک بلبل کی — تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے
اگر منظور ہے تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا — جہانِ رنگ و بو سے پہلے قطع آرزو کر لے
تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں — تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے
تنک بخشی کو استغنا سے پیغامِ خجالت دے — نہ ہو منت کشِ ساقی نگوں جام و سبو کر لے
نہیں یہ شانِ خودداری چمن سے توڑ کر تجھ کو — کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیبِ گلو کر لے
صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے — انھیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

چمن میں غنچۂ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم
مذاقِ جورِ گلچیں ہو تو پیدا رنگ و بو کر لے

اقبال

۹۸- حال اقبال

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستور ہے — سینۂ سوزاں ترا فریاد سے معمور ہے
نغمۂ امید تیرے بربطِ دل میں نہیں — ہم سمجھتے ہیں یہ لیلیٰ تیرے محمل میں نہیں

گوش آوازِ سرودِ رفتہ کا جویا ترا — اور دل ہنگامۂ حاضر سے بے پروا ترا — حصہ اول
قصۂ گل ہم نوایانِ چمن سنتے نہیں — اہلِ محفل تیرا پیغامِ کہن سنتے نہیں
زندہ پھر وہ محفلِ دیرینہ ہو سکتی نہیں — شمع سے محفل شبِ دوشینہ ہو سکتی نہیں

اے درائے کاروانِ خفتہ پا خاموش ہو
ہے بہت یاس آفریں تیری صدا خاموش ہو

ہم نشیں مسلم ہوں میں توحید کا حامل ہوں میں — اس صداقت پر ازل سے شاہدِ عادل ہوں میں
نبضِ موجودات میں رقصاں حرارت اس سے ہے — اور مسلم کے تخیل میں جسارت اس سے ہے
حق نے عالم اس صداقت کے لئے پیدا کیا — اور مجھے اس کی حفاظت کے لئے پیدا کیا
آشکارا ہیں مری آنکھوں پہ اسرارِ حیات — کر نہیں سکتی مجھے مایوس پیکارِ حیات
کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے — ہے بھروسا اپنی ملت کے مقدر پر مجھے
ہاں یہ سچ ہے چشم بر عہدِ کہن رکھتا ہوں میں — اہلِ محفل سے پرانی داستاں کہتا ہوں میں
یادِ عہدِ رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے — میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سامنے رکھتا ہوں اس دورِ نشاط افزا کو میں
دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں

اقبال

جلد اول

۹۹-اسلام کا کارنامہ

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دھمک دور دور اس کی پہنچی جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

کیا امیوں نے جہاں میں اجالا ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا
زمانے میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آوازِ حق حق

ہوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں
ہوئی آتش افسردہ آتشکدوں میں لگی خاک سی اڑنے سب معبدوں میں
ہوا کعبہ آباد سب گھر اجڑ کر
جمے ایک جا سارے دنگل بچھڑ کر

لئے علم و فن ان سے نصرانیوں نے کیا کسب اخلاق روحانیوں نے

ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے جلد اول

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا

کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا فلاطون کو زندہ پھر کر دکھایا

ہر اک شہر قریہ کو یوناں بنایا مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا

کیا بر طرف پردہ چشمِ جہاں سے

جگایا زمانہ کو خوابِ گراں سے

حالی

۱۰۰۔ مسلمانوں کا فسانہ

مسلمانوں بتاؤ تو تمھیں اپنی خبر کچھ ہے تمھارے کیا مدارج رہ گئے اُن پر نظر کچھ ہے

اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اس کا اثر کچھ ہے حریفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے

تمھیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر

کدھر آنکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں

تمھیں نے فرق بتلایا تھا سب کو گندم و جو میں
تمھیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں
شرف پایا تھا تم نے امتیازِ حق و باطل میں
مخالف بھی تمھاری قدر دانی کرتے تھے دل میں

تمھاری غیرتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمھاری بات بھی احکام تھے کہنا تھا آئینیں تھیں
تمھارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمھیں تم تھے زمانہ میں تمھاری داستانیں تھیں
غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سرِ تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمھارا اتفاقِ باہمی دیوارِ آہن تھا
مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا
تمھاری ہمتوں کا عرشِ اعظم پر نشیمن تھا
تمھارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا
تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو

نہ یہ آپس کے جھگڑے تھے نہ یہ ناحق پرستی تھی
طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی
نہ دل میں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی
نظر میں مظہر نورِ حقیقت ساری ہستی تھی
تمھاری وضع دل کش تھی تمھاری شانِ عالی تھی
خوش اخلاقی تمھاری مظہرِ شانِ جمالی تھی

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی
نہ وہ حسنِ عمل باقی نہ اب وہ حسنِ ظن باقی
نہ وہ ذوقِ ہنرمندی نہ شوقِ علم و فن باقی
نہ دل میں ہے وہ جوشِ حبِّ ایمان و وطن باقی

جو فکریں ہیں وہ اپنے نفس کو راحت رسانی کی
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطراف دنیا میں سفر سیکھو
خواصِ خشک و تر سیکھو علوم بحر و بر سیکھو

خدا کے واسطے اے نوجوانو! ہوش میں آؤ
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

اکبر

۱۰۱- مرثیہ سسلی

روئے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوننابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار
یہ محل خیمہ تھا ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
شعلۂ جاں سوز پنہاں جن کی تلواروں میں تھے
آفرینش جن کی دنیائے کہن کی تھی اجل
جن کی ہیبت سے لرز جاتے تھے باطل کے محل

زندگی دنیا کو جن کی شورشِ قُم سے ملی مخلصی انساں کو زنجیرِ توہم سے ملی

جس کے آوازے سے لذت گیر اب تک گوش ہے

وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

آہ اے سسلی! سمندر کی ہے تجھ سے آبرو رہنما کی طرح اس صحرا کے پانی میں ہے تو

زیب تیرے خال سے رخسارِ دنیا کو رہے تیری شمعوں سے تسلی بحر پیما کو رہے

ہو سبک چشمِ مسافر پر ترا منظر مدام موج رقصاں تیرے ساحل کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا حسنِ عالم سوز جس کا آتشِ نظارہ تھا

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر داغ رویا خون کے آنسو جہان آباد پر

آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی ابنِ بدروں کے دلِ ناشاد نے فریاد کی

مرثیہ تیری تباہی کا مری قسمت میں تھا

یہ تڑپنا اور تڑپانا مری قسمت میں تھا

اقبال

۱۰۲- بلادِ اسلامیہ

سرزمیں دلّی کی مسجودِ دلِ غم دیدہ ہے ذرّہ ذرّہ میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے

پاک اس اجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں | خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سرزمیں — جلد اول
سوتے ہیں اس خاک میں خیرالامم کے تاجدار | نظمِ عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار

دل کو باقی ہے ابھی تک گرمیِ محفل کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

ہے زیارت گاہِ مسلم گو جہان آباد بھی | اس کرامت کا مگر حقدار ہے بغداد بھی
یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لئے سامانِ ناز | لالۂ صحرائے یثرب یعنی تہذیبِ حجاز
خاک اس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوشِ ارم | جس نے دیکھے جانشینانِ پیمبر کے قدم

جس کے غنچے تھے چمن ساماں وہ گلشن ہے یہی
کانپتا تھا جن سے روما اُن کا مدفن ہے یہی

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور | ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور
بجھ کے بزمِ ملتِ بیضا پریشاں کر گئی | اور دیا تہذیبِ حاضر کا فروزاں کر گئی
دورِ گردوں میں ہوئے سیکڑوں تہذیب کے | پل کے نکلے مادرِ ایام کے آغوش سے

قبر اس تہذیب کی یہ سرزمینِ پاک ہے
جس سے تاکِ گلشنِ یورپ کی رگ نمناک ہے

خطۂ قسطنطنیہ یعنی قیصر کا دیار | مہدیِ امت کی سطوت کا نشانِ پائدار

جلد اول

صورت خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے
آستانِ مسندآرائے شہِ لولاک ہے
نکہت گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربت ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

کشورِ اسلام کا اے مسلمو دل ہے یہ شہر
سیکڑوں صدیوں کی کشت و خوں کا حاصل ہے یہ شہر

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہِ مصطفےٰ
دید ہے کعبہ کو تیری حج اکبر سے سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہ معظم کو ملی
جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی

نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے وارث مسندِ جم کے ہوئے

گو مٹا نابستیوں کا ہے شعارِ روزگار
عظمتِ ملت کی باقی یادگاریں ہیں ہزار
یہ ہویدا ہے کبھی مٹتے ہوئے آثار ہیں
یا نمایاں ہیں کسی گرتی ہوئی دیواریں
نالہ کرتی ہے کہیں خاموش سوتی ہے کہیں
اہلِ ملت کی فراموشی کو روتی ہے کہیں

جلوہ گاہیں اس کی ہیں اپنی زیارت کے لئے
اشکباری کے لئے غم کی حکایت کے لئے

اقبال

۱۰۳- شمع و شاعر

شاعر

دوش میگفتم بہ شمع منزلِ ویرانِ خویش — گیسوے تو از پرِ پروانہ دارد شانۂ
در جہاں مثلِ چراغِ لالہ صحرا ستم — نے نصیبِ محفلے نے قسمتِ کاشانۂ
مدتے مانندِ تو من ہم نفس می سوختم — در طوافِ شعلہ ام بالے نزد پروانۂ
می طپد صد جلوہ در جانِ امل فرسودِ من — بر نمی خیزد ز محفل یک دلِ دیوانۂ

از کجا ایں آتشِ عالم فروز اندوختی؟
کرمکِ بے مایہ را سوزِ کلیم آموختی!

شمع

مجھ کو جو موجِ نفس دیتی ہے پیغامِ اجل — لب اسی موجِ نفس سے ہے نوا پیرا ترا
میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمر مری فطرت میں سوز — تو فروزاں ہے کہ پروانوں کو ہو سودا ترا

حصہ اول

گریہ ساماں ہیں کہ میرے دل میں ہے طوفانِ اشک — شبنم افشاں تو کہ بزمِ گل میں ہو چرچا ترا
گل بدامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح — ہے ترے امروز سے نا آشنا فردا ترا
یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں رکھتا نہیں — شعلہ ہے مثلِ چراغِ لالۂ صحرا ترا
سوچ تو دل میں لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے؟ — انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہبا ترا
اور ہے تیرا شعار آئینِ ملت اور ہے — زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا
کعبہ پہلو میں ہے اور سودائی بت خانہ ہے — کس قدر شوریدہ سر ہے شوقِ بے پروا ترا
قیس ہوں پیدا تری محفل میں یہ ممکن نہیں — تنگ ہے صحرا ترا محمل ہے بے لیلیٰ ترا
اے دُرِ تابندہ اے پروردۂ آغوشِ موج — لذتِ طوفاں سے ہے نا آشنا دریا ترا

اب نوا پیرا ہے کیا گلشن ہوا برہم ترا
بے محل تیرا ترنم نغمہ بے موسم ترا

تھا جنھیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے — لے کے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا
انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے — ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا
آہ! جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی — پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا
آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ — صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا
بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصودِ ہر پروانہ تھا — اب کوئی سودائیِ سوزِ تمام آیا تو کیا

پھول بے پروا ہیں تو گرمِ نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے آوازِ درا ہو یا نہ ہو

شمعِ محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے
رشتۂ الفت میں جب اُن کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے
شوقِ بے پروا گیا فکرِ فلک پیما گیا
تیری محفل میں نہ دیوانے نہ فرزانے رہے
وہ جگر سوزی نہیں وہ شعلہ آشامی نہیں
فائدہ پھر کیا جو گردِ شمع پروانے رہے
خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے؟
اب وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے
رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے
آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلا رہی لیلا کے دیوانے رہے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر اُن کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں
سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں
دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں
خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں نا امیدِ نورِ ایمن ہو گئیں

جلد اول

اُڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں — دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشیمن ہو گئیں
وسعتِ گردوں میں تھی اُن کی تڑپ نظارہ سوز — بجلیاں آسودۂ دامانِ خرمن ہو گئیں
دیدۂ خونبار ہو منت کشِ گلزار کیوں — اشکِ پیہم سے نگاہیں گل بداماں ہو گئیں

شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
ظلمتِ شب میں نظر آئی کرن اُمید کی

مژدہ اے پیمانہ بردارِ خمستانِ حجاز — بعد مدت کے ترے رندوں کو پھر آیا ہے ہوش
نقدِ خودداری بہائے بادۂ اغیار تھی — پھر دکاں تیری ہے لبریزِ صدائے نائے و نوش
ٹوٹنے کو ہے طلسمِ ماہ سیمایانِ ہند — پھر سلیمیٰ کی نظر دیتی ہے پیغامِ خروش
پھر یہ غوغا ہے کہ لاساقی شرابِ خانہ ساز — دل کے ہنگامے مئے مغرب نے کر ڈالے خموش
نغمہ پیرا ہو کہ یہ ہنگامِ خاموشی نہیں — ہے سحر کا آسماں خورشید سے مینا بدوش
در غمِ دیگر بسوز و دیگراں را ہم بسوز — گفتمت روشن حدیثے گر توانی دار گوش
کہہ گئے ہیں شاعری جزویست از پیغمبری — ہاں سنا دے محفلِ ملت کو پیغامِ سروش

آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں — سرمہ چشم دشت میں گردِ رمِ آہو ہوا

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا — بحر تھا صحرا میں تو گلشن میں آیا جو ہوا
اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی — چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا
زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات — یہ کبھی گوہر کبھی شبنم کبھی آنسو ہوا
پھر کہیں سے اس کو پیدا کر بڑی دولت ہے یہ — زندگی کیسی جو دل بیگانۂ پہلو ہوا
آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی — جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

پردۂ دل میں محبت کو ابھی مستور رکھ — یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر
خیمہ زن ہو وادیِ سینا میں مانندِ کلیم — شعلۂ تحقیق کو غارت گرِ کاشانہ کر
شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم — صرفِ تعمیرِ سحر خاکسترِ پروانہ کر
تو اگر خوددار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو — عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر
کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں — ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
خاک میں تجھ کو مقدر نے ملایا ہے اگر — تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ دانہ کر
ہاں اسی شاخِ کہن پر پھر بنا لے آشیاں — اہلِ گلشن کو شہیدِ نغمۂ مستانہ کر
اس چمن میں پیروِ بلبل ہو یا تلمیذِ گل — یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے تو
لب کشا ہو جا سرودِ بربطِ عالم ہے تو

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو کھیتی بھی تو باراں بھی تو حاصل بھی تو

آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے؟
راہ تو رہرو بھی تو رہبر بھی تو منزل بھی تو

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا؟
ناخدا تو بحر تو کشتی بھی تو محمل بھی تو

وائے نادانی کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تو مینا بھی تو ساقی بھی تو محفل بھی تو

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

بے خبر! تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے!
بے خبر! تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے!
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے!

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے

کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے

سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیامِ ناز کا
جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

اب تلک شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت
اے تغافل پیشہ تجھکو یاد وہ پیماں بھی ہے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

دل کی کیفیت ہے پیدا پردۂ تقریر میں
کسوتِ مینا میں مے مستور بھی عریاں بھی ہے

پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے
اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے

راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائیگی

اس قدر ہوگی ترنم آفریں بادِ بہار
نکہتِ خوابیدہ غنچے کی نوا ہوجائیگی

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
یعنی گل کی ہم نفس بادِ صبا ہوجائیگی

شبنم افشانی مری پیدا کریگی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہوجائیگی

دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل
موجِ مضطر ہی اسے زنجیرِ پا ہوجائیگی

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائیگی

نالۂ صیاد سے ہونگے نوا سامان طیور
خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہوجائیگی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائیگی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

اقبال

۱۰۴۔ آجکل کے مسلمان اور اسلام

ہیں ہوا پر کفر کے گیسوئے پریشاں ان دنوں — کوئے دل میں کیونکر آئے بوئے ایماں ان دنوں
علمِ دیں مفقود ہی گم ہے صراطِ مستقیم — خضرِ رہ بنتا ہے ہر غولِ بیاباں ان دنوں
اپنے اشتر کو یہ کیا لیجائیگا سوئے حجاز — مست خود ہی بینڈ کی گت پر حدی خواں ان دنوں
بڑھ رہا ہی کفر زلفِ علت و معلول سے — حسنِ فطرت ہی حجابِ روئے یزداں ان دنوں
شارحِ دیوانِ ہستی ہی قیاسِ مغربی — ہی ازل بھی تجربوں کے زیرِ فرماں ان دنوں
ہیں مشاغل محفلِ احباب کے ناگفتہ بہ — دم بخود بیٹھا ہی اکبر سا سخنداں ان دنوں

ہیں ترے ہی واسطے اکبر یہ سارے شعبدے
دیکھ تو ان کے یہاں مذہب کا ساماں ان دنوں

خدا جانے کہا کس نے یہ کسدن عقلِ مسلم سے — کہ مشرق سے نظر آتا نہیں مغرب کا چھٹکارا
گئی دنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھیں — بُرا معلوم ہوتا ہی مسائل کا یہ پشتارا
مضر ہیں مذہبی قیدیں مناسب ہے شکست انکی — مزاحم ہیں مگر یہ مولوی ان کا نہیں چارا
وہ چھینٹے دیجئے ان کو حکیمانہ طریقوں سے — کہ بجھ کر راکھ ہی ہوجائے یہ مذہب کا انگارا
چلے مقراضِ تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے — کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی یہ گھر ہو منہدم سارا

ترقی پائیگی قوم آپ کی پھر دَورِ گردوں میں | عجب کیا ہی کہ پھر بہنے لگے اقبال کا دھارا
قیامت کر گئی قومی ترقی گوش مسلم میں | لگا کہنے زہے نعمت اگر حاصل شود مارا

اگر آں شاہدِ مغرب بدست آرد دلِ مارا
بچشمِ مستِ او بخشیم تسبیح و مصلے را

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا | بت کے بندے ملے اللہ کا بندہ نہ ملا
بزم یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس | ایک سر بھی اسے آمادۂ سودا نہ ملا
گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش | طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا
واہ کیا راہ دکھائی ہی ہمیں مرشد نے | کر دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا

ہوشیاروں میں تو اک سے سوا ہیں اکبر
مجھکو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

ملحداں را ہمہ اوصاف و ثنا ہا خوانند | مومناں رانجر اشند بہ دشنامے چند
غیرتِ دیں بفروشند بیک غمزۂ کفر | چشم پوشند ز ملت پئے خود کامے چند
روح خود را چو سپردی بہ غلامی حریف | چہ کنی ناز بہ نامے و بہ خدامے چند
ورد ایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبر | ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند
اے گدایانِ خرابات خدا یارِ شماست | چشم انعام مدارید ز خود کامے چند

اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جایئے غیر کا جب سامنا ہو بس قلی بن جایئے
فلسفہ الحاد کا کر لیجئے فوراً قبول دین کی ہو بات تو ابطال پر ٹھن جایئے

شیخ صاحب ہے یہی قومی ترقی کی شناخت
روٹھنے سے کچھ نہیں ہو فائدہ من جایئے

مذہب نے کر دیا تھا ہر اک کو غریق نوم تھے مبتلائے حج و زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم
دنیا و دیں کا فیصلہ آخر کو یہ ہوا عشق بتاں شباب میں پیری میں عشق قوم

اس عہد میں یہی ہے بس داخل نکوئی مذہب یہ نکتہ چینی ملت میں عیب جوئی
شوق عمل نہیں ہے فکر اجل نہیں ہے واعظ بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے تو خوشی پھر اسکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے
جو خیال ہیں نرالے تو مذاق ہیں انوکھے نہ وہ وضع قوم کی ہے نہ وہ شان ہے نہ دھج ہے

کہیں میم کا ہے پھندہ کوئی دخت رز کا بندہ
ہے پھر اس پہ نار و خندہ کہ دل ان میں کیا حرج ہے

اس عہد میں مائل سوئے الحاد جو دل ہے اسکی تو گورنمنٹ ہی رسپانسبل ہے
غزالی و رومی کی بھلا کون سُنے گا محفل میں چھڑا نغمۂ اسپنسر و مِل ہے

کچہریوں میں ہے پرستش گریجوایٹوں کی سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور مٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادت وضو کی اور مناجاتِ سحر کی
مگر ہاں چاء پی کر حسب دستور تلاوت کرتے ہیں وہ پانیر کی

اذانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے
اسی پر شیخ بیچارے نے اپنی چھاتی پیٹی ہے
کہاں باقی رہے ہم میں وہ اورادِ سحر گاہی
وظیفہ کی جگہ یا پانیر یا آئی ڈی ٹی ہے

مسجدیں سنسان ہیں اور کالجوں کی دھوم ہے مسئلہ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے

بے نماز وہ نہیں ہیں اور اُس پہ شرماتے نہیں
یہ غنیمت ہے کوئی ٹوکے تو گرماتے نہیں

پائنیر کے صفحۂ اول میں جس کا ذکر ہو
میں ولی سمجھوں گر اُسکو عاقبت کی فکر ہو

غالباً خاتمہ بالخیر سمجھ لو اس کا
جس کے مرنے کا نئی روشنی نے غم نہ کیا

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یونہی کہ گویا آبِ زمزم مَے میں داخل ہے

سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

منزلوں دُور اُن کی دانش سے خدا کی ذات ہے
خورد بیں اور دُوربیں تک انکی بس اوقات ہے

نشان کھوکے بگولے کی طرح اُٹھتے ہیں تو خاک خوش ہوں ہم ایسی بلند نامی سے حصہ اول

کٹے ملت سے جو دیکھے گی دنیا انکو عبرت سے گرے پتے ہیں یہ بس سبز ہیں اپنی طروبت سے

نئی نئی لگ رہی ہیں آنچیں یہ قوم بیکس پگھل رہی ہے
نہ مشرقی ہے نہ مغربی ہے عجیب سانچے میں ڈھل رہی ہے

انگریز میں عظمتِ جہانبانی ہے ہم میں اک شانِ علمِ روحانی ہے
لیکن تم لوگ تو کسی میں بھی نہیں بازو نہ قوی نہ قلب نورانی ہے

موت سے ڈرتے ہیں اب بیچے یہ تعلیم نہ تھی کچھ نہیں آتا تھا اللہ سے ڈرنیکے سوا

شکر ہے راہِ ترقی میں اگر بڑھتے ہو یہ تو بتلاؤ کہ قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو جائز ہے غباروں میں اُڑو چرخ پہ جھولو

بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد — اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اکبر مریض ہو تو دعا بھی اسے سکھاؤ — ایسا نہ ہو کہ صرف دوا ہی کا ہو رہے

جوش میں لائے صبا جس کو وہ خون اچھا ہے — بوئے گل جس کو ابھارے وہ جنون اچھا ہے
جوش میں آئے جو قرآں سے وہ خون اچھا ہے — کفر پر غصہ دلائے وہ جنون اچھا ہے

دلیل ملحد سے پوچھتی ہے کہ تم مسلّم مگر خدا کیا
دل اسکے عاشق سے کہہ رہا ہے کہ اسکے ہوتے یہ ماسوا کیا

ہیں اہل جہاں منکرِ اللہ سے کد پر — دو پھول بھی رکھتے نہیں ملحد کی لحد پر
ہنگامے انہی کے لئے ہیں صل علیٰ کے — جو زیست میں عاشق تھے ہو اللہ احد پر

اکبر

معارفِ ملّت

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا:- ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائینگے تو باعث مشکوری ہوگا- اُمید کہ طبع ثانی میں کل حالات مکمل ہوجائینگے

۱- آتش خواجہ حیدر علی صاحب مرحوم

صفحہ								
	ولادت		وطن لکھنو		وفات ۱۲۶۳ھ		مدفن لکھنو	

(۴) معرفت	"	"	"	"	"	"	"	۳
(۷) معرفت	"	"	"	"	"	"	"	۵

۵- اقبال ڈاکٹر شیخ محمد اقبال

ولادت ۱۸۷۰ء وطن سیالکوٹ

صفحہ

۳ - اکبر سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی مرحوم
ولادت ۱۸۴۶ء وطن الہ آباد وفات ۱۹۲۱ء مدفن

۵ - امیر منشی امیر احمد مینائی صاحب مرحوم
ولادت ۱۲۴۴ھ وطن لکھنؤ وفات ۱۳۱۸ھ مدفن حیدرآباد دکن

ضمیمہ اول ۱۱- بیاںؔ صفحہ

ولادت وطن

۱۲- تسلیم منشی امیر اللہ صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۲۰ء وطن فیض آباد وفات ۱۹۱۱ء مدفن لکھنؤ

۱۳- جلیل حافظ جلیل حسن صاحب

ولادت وطن

۱۴- حالی خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

صفحہ

۱۵ - حبیب سید حبیب اللہ شاہ صاحب جلالپوری

ولادت وطن جلالپور

۱۶ - داغ نواب مرزا خاں صاحب مرحوم

ولادت وطن دلی وفات مدفن حیدرآباد

۲۰ - رشد نواب سید محمد خاں صاحب مرحوم

ولادت وطن فیض آباد وفات مدفن

۲۱ - سرور [جہان آبادی] منشی درگا سہائے صاحب آنجہانی

ولادت وطن جہان آباد وفات

۲۲ - سودا مرزا محمد رفیع صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۲۰ھ وطن دلّی وفات ۱۱۹۵ھ مدفن لکھنو

صفحہ

ضمیمہ اول صفحہ ۱۱